نفاذِ عُشر ــــــ ایک مذاکرہ

علمی و فقہی و تحقیقی سہ ماہی مجلّہ منہاج کی مجلسِ ادارت نے بعد از نماز ظہر دیال سنگھ لائبریری لاہور کے ہال میں نظامِ عشر کی برکات اور اثرات پر ایک مذاکرے کا اہتمام کیا۔ میزبانِ مذاکرہ جناب مولانا سید محمد متین ہاشمی نے جناب ڈاکٹر عبدالغفور بھٹی سابق وزیر زراعت پنجاب کو نفاذِ نظام عشر کے بارے میں اپنے لکھے ہوئے تاثرات پڑھ کر سنانے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے عشر کی رقوم کے استعمال کے ممکنہ اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مصارف عشر کے بارے میں علماء کرام کی رائے معلوم کی۔ ان کا مقالہ پیش لفظ کے طور پر من و عن شاملِ مذاکرہ ہے۔

پاکستان میں ۱۵ ر مارچ ۱۹۸۳ء سے عشر کے نظام کا قانوناً نفاذ ہو چکا ہے اور پاکستان آرڈیننس XVIII مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت عمل میں آیا ہے۔ جس کی رو سے زکوٰۃ کا نفاذ یکم رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ (۱۴ ر جولائی ۱۹۸۰ء) سے کیا گیا تھا جبکہ عشر کا نظام عملاً اب نافذ کیا جا رہا ہے۔

بلاشبہ حکومت کا یہ اقدام نفاذ شریعت کی جانب ایک مثبت اقدام ہے۔ جس سے یقیناً ملکی معیشت پر دور رس نتائج مرتب ہونے کا امکان ہے۔ گذشتہ ڈھائی سال کے عرصہ میں کروڑوں روپے زکوٰۃ کی مد سے جمع ہو کر غرباء اور مستحقین میں تقسیم ہو چکے ہیں اور اس رقم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت نے زکوٰۃ کی رقم کے لیے زکوٰۃ کمیٹیاں تشکیل دیں۔ جن کی وساطت سے یہ رقم مستحقین میں تقسیم کی جا رہی ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلہ میں متعدد شکایات ہوتی رہی ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی یہ کام تسلی بخش طریقہ پر سرانجام پا رہا ہے۔ تاہم زکوٰۃ کی فراہمی اور تقسیم سے جن برکات

اور فوائد کی توقع تھی وہ نمایاں طور پر محسوس نہیں ہوئے نہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو یہ احساس ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے وہ ایک دینی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ اور نہ ہی اس سے مستفید ہونے والے اسے اسلامی نظام کی برکت تصور کرتے ہیں۔ اس کی چند بڑی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **زکوٰۃ کی فراہمی** زکوٰۃ کی فراہمی زیادہ تر بنکوں میں جمع شدہ رقوم سے منہا کر کے کی جاتی ہے۔ جہاں ان رقوم پر ۸½ فیصد سالانہ منافع حاصل ہوتا ہے اور زکوٰۃ کی شرح ۲½ فیصد سالانہ ہونے کی بنا پر رقم جمع کرنے والے کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ راہ خدا میں کچھ دے رہا ہے۔ البتہ منافع کی شرح ۸½ فیصد کی بجائے ۶ فیصد رہ جاتی ہے۔ سیونگ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے والے کچھ زیادہ منافع کی توقع بھی نہیں رکھتے۔ اس طرح سے یہ فریضہ بآسانی ادا ہو رہا ہے۔

۲۔ اگرچہ ملکی سطح پر یہ رقم کروڑوں کی بنتی ہے۔ لیکن تمام واجب الادا زکوٰۃ کی عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی رقوم کی تقسیم جب تمام ملک میں ہوئی۔ تو فی کس اس قدر کم رقم بنی کہ موجودہ مہنگائی کے دور میں مستحقین کی ضرورت پوری کرنے کے لیے قطعاً ناکافی تھی اس لیے نظام زکوٰۃ کے ملکی معیشت پر کوئی قابل ذکر اثرات مرتب نہیں ہو پائے۔ اور نہ ہی حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی وصولی کے سلسلہ میں کسی جبر یا طاقت کے استعمال کی نوبت آئی۔ کیونکہ عوام کو اپنی رقوم سیونگ اکاؤنٹ سے نکلوا کر دوسرے کئی قسم کے اکاؤنٹ میں تبدیل کروانے کا اختیار تھا۔ زکوٰۃ کی تقسیم بھی بلحاظ وارڈ یا حلقہ چند ہزار روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔ اسی لئے اس کی تقسیم بھی زیادہ نزاع کا باعث نہیں بنی اور چونکہ حکومت کی طرف سے کچھ ملتا ہی تھا۔ اس لیے اگر کسی قدر جانب داری بھی

ہوئی۔ تو اس کو برداشت کر لیا گیا۔ روپیہ کہیں اور سے آیا تھا۔ اس لیے عوام کی اس سے دلچسپی زیادہ نہیں تھی۔

عشر کا نظام

مذکورہ آرڈیننس اور اس کے تحت عشر کے اثرات نہایت دور رس ہوں گے لیکن بد قسمتی سے عشر کو بھی زکوٰۃ کے تجربے پر محمول کرتے ہوئے وہ اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ جس کا یہ متقاضی ہے۔ حالات کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے خطرہ ہے کہ کہیں اس کا نفاذ ملک میں پھر ایک بار وہی حالات نہ پیدا کر دے۔ جس سے ۱۹۷۰ء میں یہ قوم دوچار ہوئی تھی کہ روٹی کپڑے اور مکان کے وعدے کے عوض متاع دین تک لٹانے پر تیار ہو گئی تھی اور جس کا کفارہ ۱۹۷۶ء تا ۷۷ کے دوران قوم کو اپنے خون سے ادا کرنا پڑا۔ دیہات میں جہاں عشر کا نفاذ ہو گا، اب بھی ایسے غاصب موجود ہیں جو سادہ لوح دیہاتیوں کو بہ آسانی گمراہ کر سکتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ عشر کی رقوم تمام مروجہ واجب الادا ٹیکسوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔

زکوٰۃ اور عشر میں فقہی فرق کے علاوہ جن معاشی اور معاشرتی حالات میں اس کا نفاذ ہو رہا ہے، وہ بھی بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ مثلاً:

۱۔ دیہات کے لوگ، جن سے عشر وصول کیا جائے گا، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ شہری آبادی کی نسبت دیہات میں فی کس آمدنی $\frac{1}{5}$ سے بھی کم ہے۔

۲۔ غربت اور افلاس کے علاوہ دیہاتی آبادی عرصہ دراز سے معاشی استحصال کا نشانہ بنی رہی ہے۔ حکومت نے اجناس کی قیمتوں پر کنٹرول کر کے انہیں مصنوعی طور پر کم رکھا۔ جبکہ دیگر اشیائے ضرورت کی قیمتیں بلا روک ٹوک بڑھتی رہیں۔ یہاں تک کہ اب صورت حال یہ ہے کہ ایک من گندم کے عوض کاشتکار کو

جوتے کا ایک جوڑا بھی نہیں مل سکتا۔ تین من آلو کی بوری فروخت کرکے وہ تن ڈھانپنے کیلیے قمیض کا کپڑا تک نہیں لے سکتا۔ آمد و رفت کے کرایہ جات۔ ادویات کی قیمتیں، مٹی کا تیل۔ غرضکہ ہر وہ چیز جو اسے بازار سے خرید نی پڑے۔ اس کی اجناس کی قیمتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ گراں ہو چکی ہے۔ شہری آبادی اور فیکٹریوں کے مزدور چونکہ منظم ہو کر حکومت کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے حکومتوں کی اکثر پالیسیاں انہی کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات مہیا کرتی ہیں نتیجتاً دیہات کی معیشت شہروں کی نسبت روبہ انحطاط ہو رہی ہے۔

۳۔ حکومت کے مادی وسائل کا ۷۰ فیصد حصہ بالعموم شہروں کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے پر صرف ہوتا رہا ہے۔ اور محض ۳۰ فیصد دیہی آبادی کو سہولیات دینے پر خرچ کیا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ آبادی کا تناسب شہروں میں ۲۵ فیصد سے کم اور دیہات میں ۷۵ فیصد سے زیادہ رہا جسکے نتیجہ میں دیہات زندگی کی آسائشوں سے یکسر محروم رہے اور وہاں اِس دور میں بھی مٹی کے گھروں میں رہنے والے انسان معاشرتی پسماندگی کی دردناک تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اور اب ان پر معاشرتی ٹیکس۔ زکوٰۃ کی شرح جو زیادہ تر شہری آبادی پر عائد ہوگی، دوگنا یا چوگنا عشر لگانا بظاہر حالات کو مزید خراب کرنا ہوگا۔ تاوقتیکہ دیہات کے لوگوں میں جذبہ ایمان کو زیادہ مضبوط نہ بنایا جائے۔

۴۔ دیہات میں دینی شعور کا یہ حال ہے کہ ایک اندازے کے مطابق اکثر لوگ کلمہ تک صحیح پڑھنا نہیں جانتے۔ صرف ۱۹ فیصد لوگ نماز پڑھنا جانتے ہیں تقریباً ۱۱ فیصد نماز پڑھتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ وہ نماز کے معنی نہیں سمجھتے۔ دیہات کے رہنے والوں میں

سے جن لوگوں کو اس تجزیہ میں شامل کیا گیا تھا کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ گناہ کسے کہتے ہیں۔ یعنی وہ اسلام کے اخلاقی ضابطہ حیات، بہ الفاظ دیگر اوامر اور نواہی سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ ایسے میں شہری آبادی جو اس کے برعکس دینی شعور رکھتی ہے، کی نسبت دیہی آبادی سے زیادہ مالی قربانی کی توقع حقیقت سے اغماض ہوگا ہمارے دیہات کے لوگ قرآنی اصطلاح کے مطابق اعراب سے مختلف نہیں ہیں جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ (الحجرات: ۱۴)

ترجمہ: "(یہ بعض) گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو، ہاں یہ کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہوا ہی نہیں ہے۔"

اور

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۔ (التوبۃ: ۹۷)

ترجمہ: دیہاتی (منافقین) کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کا علم نہ رکھیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں۔

۵۔ دیہات کی اخلاقی حالت بھی پسماندہ ہے۔ ان میں ایثار کا جذبہ شہریوں کی نسبت کم ہے۔ لیکن عشر کی شرح زکوٰۃ کی نسبت بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے شہریوں کی نسبت دیہاتیوں سے زیادہ مالی قربانی کی توقع کی جائے گی۔ اور پھر اس میں جبر کا عنصر بھی شامل ہے۔

۶۔ دیہات میں پارٹی بازی اور گروہی عصبیت بھی شہروں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے وہاں عشر کی رقوم مخالف گروہ کے افراد کے حوالے کرنا اور ان کو من مانی تقسیم کی اجازت دینا ایک مشکل کام ہوگا بعید نہیں کہ کچھ لوگ ایک مخصوص مذہبی فرقہ کو عشر کی رعایت حاصل ہونے کی وجہ سے اختیار کرنے کو ترجیح دیں۔

۷۔ دیہات میں ایک غریب طبقہ ان بے زمین لوگوں پر مشتمل ہے۔ جو گاؤں میں محنت مزدوری کر کے گذر اوقات کرتا ہے۔ ہمارے دیہات میں مزدور ۱۵ تا ۲۰ روپیہ روزانہ مزدوری کرتا ہے۔ گندم کی کٹائی۔ چاول لگوائی وغیرہ ایسے کام ہیں۔ جن کی مزدوری اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک دو بھینسیں رکھ کر اور ان کا دودھ بیچ کر گذر بسر کی جاتی ہے یا پھر بھیڑیں پال کر کچھ آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔ چند مرغیاں بھی گھر میں رکھ لی جاتی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ سے ان لوگوں کی امداد کی وجہ سے کھیت مزدوری میں اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ جس کے نتیجہ میں زرعی کاروبار متاثر ہوسکتا ہے۔ جب لوگوں کو بغیر کام کے معتدبہ رقم مل جائے تو پھر اُنہیں محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۸۔ ایسے لوگ دیہات میں بہت کم ہیں جن کا ذریعہ معاش بالکل کچھ نہیں ہے۔ یا پھر وہ معذور ہیں۔ بیوائیں اور یتیم بچے جو کام کرنے کے قابل نہ ہوں گو ان کی تعداد بھی اتنی زیادہ نہیں ہے۔ بچے جب ۸ تا ۱۰ سال کے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ان کو گاؤں میں مزدوری مل جاتی ہے۔ بیوائیں، چھوٹے یتیم بچے اور معذوروں کی امداد کے لیے زکوٰۃ کا انتظام کافی مستحکم کر لیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ عشر سے حاصل شدہ رقم ضرورت سے کہیں زیادہ ہو۔ اس لیے ضروری

ہے کہ اس کے مصرف کے متعلق غور و خوض کیا جائے۔

دیہی معاشرہ

پاکستان میں دیہی معاشرہ ایک معاشی سطح پر توازن کی حالت میں ہے لیکن جب معاشی عوامل میں کسی قسم کی تبدیل لائی جاتی ہے۔ تو لامحالہ اس کے نتیجہ میں وہ توازن برقرار نہیں رہتا اور معاشرہ میں تغیر رونما ہوتا ہے۔ اگر اس تغیر کی سمت متعین نہ کی جائے۔ تو یہ تعمیری شکل اختیار کرنے کی بجائے تخریبی نہج پر آگے بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے پالیسی ساز ادارے کا فرض ہے کہ حتی الامکان حالات کے پیش نظر ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کرے کہ یہ کار خیر معاشے میں شر اور فساد کا موجب نہ بن جائے۔

۱۔ دیہات میں معاشرتی کمزوریاں مثلاً برادری سسٹم، دھڑے بندیاں اور گروہی تعصب شہری آبادی کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے حق داروں کے تعین، عشر کی تشخیص اور ادائیگی میں غیر جانبداری کا امکان بھی کم ہے، بالخصوص جبکہ تشخیص اور تقسیم کا کام مقامی لوگوں کے حوالے کر دیا جائے۔

۲۔ دیہات میں بالعموم چند ایک بڑے زمیندار ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ملازمین سے کاشت کاری کرواتے ہیں۔ اور ان کے ذمہ عشر کی زیادہ رقوم واجب الادا ہوں گی چونکہ وہ خود عشر کمیٹی میں ہونگے یا کمیٹی پر اپنا اثر رسوخ استعمال کرکے عشر کی زیادہ تر رقوم اپنے ملازمین کو ہی دلوائیں گے۔ اور اس طرح سے ان کی تنخواہ جو وہ دیا کرتے ہیں نہیں ادا کریں گے۔ اگر عشر کمیٹی ان کے کہنے پر عمل نہیں کرے گی۔ تو پھر یہ ان کے کام میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کریں گے اور انہیں کام نہیں کرنے دیں گے۔

۳۔ دیہات میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے عشر کمیٹیوں کے لیے ایسے باصلاحیت

افراد کا ملنا مشکل ہوگا جو عشر کی اتنی بڑی رقومات کا حساب کتاب رکھ سکیں لیکن انہیں عشر میں سے ایک پڑھے لکھے آدمی کو ملازم رکھنے کی سہولت دے بھی دی جائے تو اسے کنٹرول کرنا ان کے بس کا کام نہیں ہو گا۔ بہرحال عشر کے حسابات میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۴۔ دورافتادہ دیہات میں عشر کے نظام کی پڑتال اور کنٹرول بھی ایک مسئلہ ہے اس لیے اس نظام کے بدنظمی کا شکار ہو کر ناکام ہونے کا بھی احتمال ہے۔

۵۔ چونکہ پٹواری کے مہیا کردہ اعداد و شمار کی بنا پر عشر کی تشخیص ہونی ہے اور جس طرح سے بڑے زمینداروں کی ملکیتی اراضی کے ریکارڈ میں فرضی اندراج ہوتے ہیں عشر کی تشخیص میں بھی بڑے پیمانہ پر فرض کاری کا امکان ہے۔ جس کے انسداد کے لیے خصوصی انتظامات درکار ہوں گے۔

۶۔ جس معاشرے میں ۸۰ فیصد سے زیادہ جہالت ہو۔ اس میں کسی ڈھیلے ڈھالے اقتصادی نظام کی کامیابی ہمیشہ مخدوش ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی رقوم خورد برد کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی نہ ہونے کی بنا پر یہ عام تاثر ہے کہ عشر کا نظام بھی بدعنوانی کو فروغ دینے کا باعث بنے گا۔ یہ صورت حال معاشرے کے اس عنصر کو جو اسلامی نظام کو دل سے قبول نہیں کر رہا لیکن مجبور ہے، اس نظام پر زبان طعن دراز کرنے کا موقعہ بہم پہنچائے گی۔

ان معاشرتی اخلاقی اور انتظامی مشکلات کے باوجود عشر کا نظام پاکستان کے دیہی عوام کے لیے انتہائی مفید بلکہ ناگزیر ہے قرآن کی رو سے حکومت وقت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ عشر کو جو زمینی پیداوار کی زکوٰۃ ہے نافذ کرے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (الحج ۴۱)

ترجمہ: (یہ لوگ ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں۔

لوگ دیہات میں جس معاشی اور معاشرتی پسماندگی کا شکار ہیں وہ اس بات کی شدت سے متقاضی ہے۔ کہ حکومت اس کی طرف فوری توجہ کرے۔ اور ایسے منصوبے اور سکیمیں تیار کرے۔ جو دیہات میں غربت افلاس اور پسماندگی کا تدارک کر سکیں تا کہ دیہی معاشرہ ایک فلاحی معاشرہ کی شکل اختیار کر سکے۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کی معیشت کا انحصار زراعت پر ہے بدقسمتی سے ملکی آبادی کا وہ حصہ جو زرعی کام کا ذمہ دار ہے۔ لادین اور ظالم معاشی نظاموں کی وجہ سے مدتوں سماجی ناانصافی کا شکار رہا ملکی مسائل کا بڑا حصہ صرف شہری آبادی کو سہولیات بہم پہنچانے پر خرچ ہوتا رہا ہے لیکن ملکی معاشیات کی بنیاد استوار کرنے والے محنت کش جو کل آبادی کا ۷۵ فیصد ہیں، یکسر محرومی سے دوچار ہے بلکہ دانستہ طور پر ان کا معاشی استحصال کیا گیا۔

ے دستِ دولت آفریں کو مُزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

اب وقت آ گیا ہے کہ اس معاشی ناانصافی کا مداوا کیا جائے اور اسلام کا بابرکت اور عادلانہ نظام نافذ کیا جائے تا کہ دیہات کی نہ صرف معاشرتی زندگی بدل جائے۔ بلکہ وہاں غریب لوگوں کے لیے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا ہوں یہ ایک

بدیہی حقیقت ہے کہ معاشرتی اور تمدنی ارتقا کے لیے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور اسلامی نظام میں ایک زرعی ملک کا سب سے بڑا مالیاتی نظام عشر کا نظام ہے جس کے نفاذ سے اربوں روپے جمع کئے جا سکتے ہیں اس کے علاوہ زکوٰۃ کے نظام سے بھی مزید رقم کی فراہمی کی توقع ہے۔ جو معاشرے کی تمدنی حالت کو یکسر بدل سکتی ہے۔ اس عمل کو تیز تر کرنے کے لیے حکومت اپنے وسائل کو بھی بروئے کار لا سکتی ہے۔ تاکہ صدیوں کی معاشی بے انصافیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اور دیہات کے رہنے والے جدید معاشرتی سہولتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

دیہات میں ایسے معذور لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ جو محنت مزدوری سے روزی نہ کما سکتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے نفقہ کے لئے زکوٰۃ سے حاصل شدہ رقم بھی کافی ہو سکتی ہے۔ جہاں ضرورت زیادہ ہو وہاں عشر سے کچھ رقم اس کام کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد عشر کی باقی ماندہ رقم کسی ایسے منصوبے کے تحت استعمال کرنی ہوگی۔ جس سے معاشرے کے غریب طبقہ کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔ عشر کی رقم دیہات کے غریب اور پسماندہ عوام کی بہبود کے لیے استعمال کرنے کا طریقہ کار اس وقت سب سے اہم مسئلہ ہے۔ غریبوں کی اجتماعی بہبود کے لیے عشر کی رقم کا استعمال فقہی اعتبار سے کیسے ممکن ہو تاکہ دینی فریضہ بطریق احسن ادا کیا جا سکے۔

اس میں شک نہیں کہ دیہاتی عوام کم علم ہیں ان میں دین کا شعور بھی پختہ نہیں، تعلیمی اعتبار سے تو شہری لوگوں سے وہ بہت پیچھے ہیں اور ان میں کئی قسم کی اخلاقی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اگر انہیں بتا دیا جائے تو وہ حرام کھانے اور سود کھانے پر ہرگز تیار نہ ہوں گے اس لیے ان کو اگر یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ زمین کی جس پیداوار سے عشر ادا نہ ہو وہ حرام ہے۔ تو ان میں سے اکثر اسے استعمال نہیں کریں گے۔ خصوصاً

جب ان کو یہ بھی معلوم ہو کہ کھیت کی پیداوار سراسر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر جو دانے ان کے پاس ہوتے ہیں۔ مٹی میں ملا دیتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیج کا بار آور ہونا اس خالق اکبر کی قدرت کاملہ پر ہے اور اگر وہ چاہے تو پکی ہوئی فصل آناً فاناً ختم ہو سکتی ہے۔ اور بارہا انہوں نے ایسا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لیے اگر انہیں یہ علم ہو کہ عشر دینے سے ان کی فصل کافی حد تک آفات سماوی سے بچی رہے گی تو وہ کبھی بھی عشر دینے میں ہچکچاہٹ نہیں کریں گے! البتہ اس کے لیے بہرصورت تعلیمی اور تربیتی پروگرام کی ضرورت ہو گی اور ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کرنا ہو گا۔ ائمہ مساجد اور خطیب حضرات کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی۔ تاکہ عشر کی برکات دیہی عوام کے ذہن نشین کرائی جا سکیں۔ عشر کی وصولی اور تقسیم کے طریقۂ کار میں بھی مناسب ردوبدل ضروری ہو گا۔ کیونکہ عوام حکومت کو عشر کی رقوم دینا زیادہ پسند کریں گے بہ نسبت اس کے کہ وہ یہ رقوم اپنے مخالف دھڑے کے لوگوں کو دیں اس طرح سے عشر کے مستحق حکومت سے رقوم لینے میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں کریں گے۔ لیکن وہ گاؤں کی کمیٹی کے ممبران کے ہمیشہ کے لیے زیر بار رہنا پسند نہیں کریں گے عشر کے انتظامات کو بھی کسی سرکاری محکمہ کے سپرد کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ جو ارکان عشر کمیٹی کے ممبران کی زیر نگرانی یہ کام سرانجام دیں۔ تاکہ یہ کام باضابطہ سرانجام ہو یہ کام عوام اور سرکاری ملازمین کے اشتراک ہی سے بہتر طور پر انجام پا سکتا ہے۔ کیونکہ سرکاری ملازمین کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں حکومت اور عوام کے محاسبے کا خوف ہو گا۔

انفرادی مستحقین کی فہرستیں اور ان کی ضروریات کا تعین کرنے کے سلسلہ میں بھی عشر کمیٹی کے ارکان اہم کردار ادا کر سکتے ہیں تاہم آخری فیصلہ اعلیٰ سطح پر ہونا لازمی ہے تاکہ مقامی سٹاف کو اپنے کام کا ٹھیک اندازہ ہو سکے۔

عشر پر آپ نے سیر حاصل مقالے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خود ہی عام گفتگو کا آغاز کیا۔ (ادارہ)

ڈاکٹر بھٹی صاحب: بہرحال اب جو صورت پیش نظر ہے، عشر کی رقوم اگر ہم فلاح عامہ کے کاموں پر خرچ کر سکیں تو اس نظام کے بارے میں لوگوں کے اندر کسی طرح کی بداعتمادی پیدا نہیں ہوگی۔ دوسرے دیہی معاشرت اور معیشت میں انقلاب آجانے کا... لیکن ایک رکاوٹ ہے اس میں، چونکہ یہ ایک فقہی اور شرعی مسئلہ ہے۔ اس لیے ہمیں علماء کرام سے رجوع کرنا پڑا ہے۔ وہ اگر اس کی اجازت دے دیں تو پھر ہم سب کا فرض ہوگا کہ حکومت کو ایسی قابل عمل تجاویز پیش کریں تاکہ وہ عشر کی ان رقوم کو احسن طور پر استعمال کر سکے۔ حکومت کا اصول یہ ہے کہ جو لوگ مقامی سطح پر کسی سکیم کے لیے وسائل پیدا کر سکتے ہوں وہ انہیں ایک میچنگ گرانٹ دیتی ہے۔ یعنی حکومت ان نجی وسائل کو دوگنا کر کے اس سکیم پر خرچ کرتی ہے۔

میں نے جناب ہاشمی صاحب سے بھی اس سلسلہ میں بات کی تھی کہ اگر عشر کی رقوم کے بارے میں بھی ایسا ہو سکے یعنی ہر جگہ مقامی طور پر عشر سے جتنا روپیہ حاصل ہو اور حکومت اس پر میچنگ گرانٹ دیدے تو چند سالوں میں دیہات کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔ میں حال ہی میں منعقد ہونے والی اسلامک اکنامک کونسل کی میٹنگ میں شرکت کرنے گیا تھا۔ وہاں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب بھی مدعو تھے۔ انہوں نے چند مفید مشورے دیے اس سلسلہ میں ان کا خیال تھا کہ ہم دو طرح سے یہ کام کر سکتے ہیں۔ ایک اس طرح کہ ہم دیہی عامۃ الناس کو، عام بہتری کے لیے عشر سے قرض حسنہ دے سکتے ہیں اور

پھر آسان قسطوں میں ان سے واپس لے سکتے ہیں لیکن ہمارے نظریاتی کونسل کے علماء کے خیال میں اس صورت میں رقم کی واپسی کی یقین دہانی کس طرح ہوگی۔

دوسری ان کی تجویز یہ تھی کہ غریب لوگوں کو قرض دلوادیں، بنک سے اور اس قرض کی ادائیگی عشر سے کریں۔ چنانچہ اس تجویز سے بہت سے نظریاتی کونسل کے ارکان نے اتفاق کیا۔

ولانا عبداللطیف صاحب: آپ نے فرمایا کہ جو مستحق حضرات ہیں انہیں بنک سے قرض دیدیا جائے اور اس کی ادائیگی عشر سے کر دی جائے۔ لیکن اس طرح کان کو الٹی طرف سے پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر عشر کی رقم غرباء اور فقراء کو براہِ راست دے دینے میں کیا مشکل ہے؟

تی محمد حسین نعیمی صاحب: مشکل اس میں یہ ہے کہ زکوٰۃ کمیٹی خود تو مستحق نہیں البتہ اس میں اگر مستحقین کے نمائندے شامل کر لیے جائیں اور ان کے ذریعے سے اس کو خرچ کیا جائے تو مشکل آسان ہو جائے گی۔

ولانا عبداللطیف: اس طرح بھی بنک کو ادا کرنے سے تملیک تو نہ ہوگی!

ھٹی صاحب: یہی ہماری مشکلات ہیں۔ جن کے اوپر ہم کو غور و خوض کرنا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اتنی بڑی رقم یوں ہی تقسیم کر دی گئی تو ہم کسی ایسے فائدے تک نہیں پہنچ سکیں گے جس سے دیہات والے یہ محسوس کریں کہ ان کی بہبود کا کوئی کام ہوا ہے۔ یوں تو وہ بددل ہو جائیں گے کہ کوئی عملی کام ہوا ہی نہیں۔

نا محمد متین ہاشمی صاحب: بھٹی صاحب کا یہ خیال ہے کہ یہ جو رقم عشر کی ہے، یعنی سات ارب روپیہ اب گاؤں کے مستحقین کی تعداد تو بس اتنی ہی ہے کہ اگر صدقہ فطر انکو دے دیا جائے تو وہ کافی ہو جائے گا ۔۔۔ اگر اس رقم کو یوں ہی دیہی مستحقین میں بانٹ دیا جائے۔

تو دیہی معیشت متاثر ہوگی۔ اس لئے کوئی ایسی شرعی ترکیب نکالی جائے کہ یہ رقم اجتماعی رفاہی کاموں میں لگائی جاسکے۔ تاکہ دیہات کے لوگ یہ محسوس کریں کہ نظام عشر ان کے لیے مفید ہے۔ یعنی بنک سے قرضہ لیا جائے اور رفاہی ادارے کھولے جائیں یا دیہاتوں میں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے وہ یہ کہ جو لوگ بے زمین ہیں اور مزارع کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان کی رہائش کے لیے پانچ پانچ مرلے کے چھوٹے چھوٹے پلاٹ خرید کر انہیں الاٹ کر دیے جائیں اور رقم عشر سے ادا کر دی جائے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: آپ نے جو یہ فرمایا کہ پانچ پانچ مرلے کے پلاٹ خرید کر مستحقین میں تقسیم کر دیے جائیں اور رقم عشر سے ادا کر دی جائے، ایسا کیوں نہ کریں کہ عشر کی رقم مستحقین کو دے کر انہیں اپنے لیے زمین خریدنے پر آمادہ کریں یعنی انہیں مالک بنادیں اور وہ خود خریدیں اپنے لئے۔

ہاشمی صاحب: یہ تو ٹھیک ہے مگر اس میں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وہ دیگر ضروریات پر خرچ کریں گے اس طرح ان کا ایک مستقل مسئلہ حل ہو جانے سے رہ جائے گا کیوں ناں بنے بنائے مکان انہیں الاٹ کر دیئے جائیں، عشر کی رقم سے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: ٹھیک ہے اگر آپ عشر کی رقم سے کوئی شے خرید کر کے کسی مستحق کو اس کا مالک بنا دیتے ہیں تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

ہاشمی صاحب: اس طرح ایک مسئلہ یہ طے ہوا کہ دیہات میں ایسے غریب لوگ جن کے پاس اپنی زمین نہیں ہے، اور وہ بیچارے مفلوک الحال: ہیں زمین نہیں خرید سکتے تو عشر کی رقوم سے زمین خرید کر انہیں دی جاسکتی ہے اور امداد بھی فراہم کی جاسکتی ہے جس سے وہ مکان تعمیر کر لیں۔

مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب: میری درخواست یہ ہے مقاصد کسی شے کے دو طرح کے ہو
ہیں۔ ایک فوری اور دوسرے دور رس۔ عشر اور زکوٰۃ کا فوری مقصد تو یہ ہے
تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقرائھم۔ (کہ مالداروں سے وصول
کیا جائے اور فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔) تو فوری طور پر آپ فقرا کی جو امداد
سکتے ہیں وہ ان کا فقر و افلاس دور کرنا ہے۔ فوری مقصد تو یہ ہوا پہلے آپ با
اس کو طے کریں۔ اس کے بعد دور رس مقاصد اور فلاحی سکیمیں ہیں یعنی دس سال
بیس سال بعد، وہ بھی سوچیں مثلاً دیکھیں ایک آدمی کو اس وقت سو روپے کی
ہے آپ اس مفلس کو یہ کہتے ہیں کہ فی الحال صبر کرو دس سال بعد جب یہ اور
کامیاب ہوگی تو سب کے مسائل دور ہو جائیں گے۔ اس طرح سے اس کی ا
عزت تو دور نہ ہوئی۔ پھر منشاء عشر کیسے پورا ہوا؟

مولانا عبداللطیف صاحب: لیکن یہ بات تو حضرت اس وقت پیدا ہو گی۔ اگر ہم فقراء کو براہ ر
دینے والی مد بالکل ختم کر دیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں یہ بھی سوچا جائے اور وہ
جاری رکھا جائے۔

ریاض الحسن نوری صاحب: بات یہ ہے کہ وہ رقم اتنی زیادہ ہے کہ فقر دور کرنے کے
بھی بچ رہے گی۔

مظاہری صاحب: تو پھر اس میں سے سکیمیں بنا سکتے ہیں۔

محمد اسلم سکھیرا صاحب: مجھے اگر اجازت دیں تو تھوڑا سا عرض کروں۔ تاکہ آپ کے
اس کا بیک گراؤنڈ ہو۔ پھر آپ اس کا مذہبی پہلو اور نقطہ نظر اچھی طرح سمجھ
گے اس وقت پنجاب میں جو پوزیشن ہے وہ یہ ہے کہ پچانوے کروڑ بچا
پچاس ہزار روپے کی رقم زکوٰۃ کے فنڈ سے پنجاب کو دی گئی،

جس میں سے انہتر کروڑ تہتر لاکھ

روپے بائیس ہزار زکوٰۃ کمیٹیوں کے ذریعے غرباء میں تقسیم کیے گئے اور بائیس کروڑ کی مزید رقم یعنی چھٹی قسط، جو اب جارہی ہے۔ اور لوکل زکوٰۃ کمیٹیاں جو ایک ہزار سے بارہ ہزار کی آبادی تک ہیں، اس رقم کو غرباء میں تقسیم کریں گی۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کو اسلامی تعلیم کے لیے دو کروڑ پچھتر لاکھ روپے کے قریب بطور امدادی جاچکی ہے۔ ویلفیئر انسٹی ٹیوشن کو دو کروڑ اڑسٹھ لاکھ روپے دیے جاچکے ہیں اور نوے لاکھ روپیہ بیوگان کی بحالی کی سکیم کے لیے تقسیم کیے جاچکے ہیں۔ جس میں ان کو سلائی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور بعد میں مشینیں بھی انہیں دیدی جاتی ہیں اس طرح سے دوسری کئی رفاہی اور فلاحی سکیمیں ہیں جنہیں زکوٰۃ کی رقم سے امدادی جارہی ہے۔

اس طرح مختلف مستحق طبقوں مثلاً نادار سٹوڈنٹس کی امداد کی جارہی ہے، تقریباً پچاس لاکھ روپیہ بطور وظیفہ ان کو دیا جاچکا ہے۔ ابھی حال ہی میں صدر صاحب نے سات کروڑ روپے پنجاب کے لیے دیئے ہیں یعنی جو طالب علم پڑھنا چاہے لیکن تعلیم جاری نہ رکھ سکے اس کی امداد کی جائے اس میں سے سترہ لاکھ روپے تقسیم ہوچکے ہیں۔ اور آپ کو سن کر خوشی ہوگی کہ ایک درخواست بھی نامنظور نہیں ہوئی۔ جس نے بھی اپنے پرنسپل کی تصدیق سے درخواست بھیجی ہے اس کی درخواست منظور کرلی گئی ہے۔ یہ تو ہوئے زکوٰۃ کے وہ مصرف جن میں ہم زکوٰۃ کی رقم خرچ کر رہے ہیں۔

ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ عشر کا تجربہ کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوگا کیونکہ مقامی عشر کمیٹیاں دھڑے بندی کی وجہ سے گڑبڑ کریں گی۔ تو میں عرض کروں کہ ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹیوں میں سوائے ایک ڈپٹی کمشنر کے باقی عوام ہی کے لوگ ہیں، انہوں

نے ہی مقرر کرنی ہے کم اوسط پیداوار اور کم اوسط قیمت ۔ فی ایکڑ پچیس فیصدی نہری باقی زمینوں کا۔ ۳۳ ۱/۳ فیصدی یہ جو ہے ٹیوب ویل والی زمینوں کا۔ ٹیوب ویل کا خرچ نکال کے باقی پیداوار پر پانچ فیصد عشر لگتا ہے لیکن ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی فی ایکڑ مختلف جنس کی پیداوار کی قیمت مقرر کر دے گی۔ چونکہ یہ قیمت ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی نے مقرر کرنی ہے۔ وہی فائنل اتھارٹی ہے۔ دھڑے بندیوں کی وجہ سے گڑبڑ کا جو امکان ہے اس کا تدارک یوں کیا گیا ہے کہ کمیٹیاں ڈسٹرکٹ لیول LEVEL پر فی ایکڑ پیداوار کی قیمت کا تعین کریں گی۔ لوکل کمیٹیوں کا کام یہ ہوگا کہ وہ اس بات کا تعین کریں کہ فی ایکڑ پیداوار کتنی ہوئی ہے یعنی سب کا دائرہ کار الگ الگ مقرر کر دیا گیا ہے۔

تیسری بات جو بھٹی صاحب نے فرمائی، پٹواری کے اختیارات کے بارے میں، تو یہ واحد نظام ہے، زکوٰۃ وعشر کا، جس میں کسی سرکاری آدمی کا عمل دخل نہیں، کوئی حیثیت نہیں، کوئی پوزیشن نہیں۔ پٹواری کو تو زکوٰۃ کمیٹی والے بلا کر پڑتال کر سکتے ہیں، خسرہ گرداوری سے دیکھ سکتے ہیں کہ مثلاً اتنے ایکڑ کاشت ہوئی ہے یعنی دس ایکڑ تو کیا خسرہ گرداوری میں بھی دس ہے، کم وبیش تو نہیں لیکن خسرہ گرداوری کے وہ پابند نہیں بلکہ موقعہ پر جا کر خود تسلی کر سکتے ہیں۔ پٹواری تو ان کی مدد کے لیے ہے۔ ویسے بھی اگر مقامی زکوٰۃ کمیٹی کی تشخیص غلط ہو تو تحصیل زکوٰۃ کمیٹی میں اس کے خلاف اپیل کی جا سکتی ہے ——————

مگر اس کی شرط یہ ہے کہ تشخیص شدہ رقم کا پچاس فیصد پہلے جمع کرائے۔ ویسے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جو زکوٰۃ کا نظام ہے اس میں حکومت کا لفظ کہنا بھی ایک قسم کی زیادتی ہے۔ کیونکہ یہ جو مرکزی زکوٰۃ کونسل ہے اس میں ہائی کورٹ کے

جج ہیں اس کے چیئرمین سپریم کورٹ کے جج ہیں، مسٹر شفیع الرحمٰن۔ باقی پبلک کے ہیں۔ ایک ہوم سیکرٹری ہیں، مسٹر امتیازی صاحب۔ وہ ایک ممبر ہیں بس۔ یہی حال دوسری کمیٹیوں کا ہے۔ اب کوئی بڑی سے بڑی اتھارٹی بھی ان کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ آپ یہ کریں بلکہ صرف ریکوئیسٹ کر سکتی ہے۔

ایک بات بھٹی صاحب نے اور کی تھی کہ بے ایمانی ہو رہی ہے، کام ٹھیک طرح سے نہیں ہو رہا اس کے لیے میں عرض کروں کہ چوبیس ہزار پنجاب میں زکوٰۃ کمیٹیاں ہیں۔ ہمیں جو تحریری شکایات موصول ہوئی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تیس ہوں گی۔ اب اگر چوبیس ہزار میں سے تیس آدمی خراب ہیں تو یہ کہنا کہ سارا نظام ہی خراب ہے اور سب فراڈ کر رہے ہیں، غلط ہے.... اس میں فراڈ ہو ہی نہیں سکتا، وجہ اس کی یہ ہے، میں عرض کروں کہ یہ رقم ایک چیئرمین اور ایک ممبر مل کر نکلواتے ہیں اور جس جس کو دیتے ہیں اس سے دستخط لیتے ہیں۔ ریکارڈ ہوتا ہے۔ کسی آدمی کو چیئرمین اکیلا نہیں دے سکتا۔

البتہ اس میں تھوڑی سی دقت یہ آتی ہے کہ ہر چیز مشتہر کر کے لوگوں کے سامنے دی جائے تو اسلام میں یہ بھی ہے کہ کسی کو رسوا نہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔ لیکن اس صورت میں فراڈ کی تھوڑی سی گنجائش بھی ہے جس کا کچھ تدارک اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک چیئرمین کے ساتھ ایک ممبر دونوں مل کر طریقہ کار طے کرتے ہیں۔ دونوں پبلک کے نمائندے ہوتے ہیں کوئی سرکاری ملازم نہیں ہوتا ایک طرف تو لوگ کہتے ہیں کہ....

بھٹی صاحب: یہ کام یعنی زکوٰۃ کا نظام کوئی اتنا مشکل بھی نہیں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ درست ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ عشر کی شکل میں یہ جو اتنی بڑی رقم اکٹھی ہو گی

اس کا مصرف کیا ہو، رورل پاپولیشن کے مسائل کے لحاظ سے، ان کی حالت بہتر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بہت بڑا راستہ پیدا کر دیا ہے۔ اس کو پوری طرح کام میں لایا جائے۔

بھیرا صاحب : یہ آپ نے جو بات کی ہے ایک بڑا اہم مسئلہ ہے، کیونکہ اگر آپ ہر ایک کو گھر بیٹھے ہوئے پیسے دیدیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ جب لوگ کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ تو کھیتی باڑی کون کرے گا؟ زمینیں کون کاشت کرے گا۔ اس طرح ایک طرح کی اختیاری بے کاری پیدا ہو جائے گی۔ دوسرے آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ زمینیں خرید کر انہیں دیدی جائیں تو بات دراصل یہ ہے کہ گاؤں میں زمینیں آباد کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ حکومت کے لیے یہ آسان ہے کہ وہ زمینیں خرید کر کے بے زمین لوگوں میں تقسیم کر دے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو بڑے زمیندار ہیں انہیں اپنی زمینیں کاشت کرنے کے لیے کارندے نہ ملیں گے اور دوسرے زمینی کام کرنے کے لیے لیبر نہ ملے گی لیکن زکوٰۃ کے برعکس عشر کے بارے میں چونکہ اصول یہ ہے کہ جہاں سے عشر اکٹھا کیا جائے وہیں خرچ ہو تو یہ سوال واقعی قابل غور ہے کہ عشر کی رقوم اجتماعی دیہی ترقیاتی سکیموں پر خرچ ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ یعنی ان سے سڑکیں بنائی جائیں، پینے کے پانی کا انتظام کیا جائے، بجلی سپلائی کر دی جائے، ٹیوب ویل لگا دیے جائیں، پکے مکانات بنا دیے جائیں، اسی طرح انتقال آبادی کا مسئلہ ہے۔ لوگ دیہاتوں سے شہروں کی طرف بھاگ رہے ہیں جس سے شہروں میں بھی کئی طرح کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور دیہات بھی زمین داری کے کام کرنے والوں سے خالی ہو رہے ہیں۔ یہ فنڈ ایسی سکیموں پر بھی خرچ کیا جا

سکتا ہے جس سے انتقال آبادی کے اس غلط رجحان پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

بٹ صاحب: اسے معاف کیجیے گا۔ آپ کی اس بات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ گاؤں کے لوگوں کو صرف کاشتکار ہی رکھنا چاہتے ہیں۔

سکھیرا صاحب: میرا مطلب یہ نہیں تھا میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ انتقال آبادی سے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کاشتکاری کے جملہ کام متاثر ہوں گے۔ آپ دیہات والوں کو دستکاری کے وہ سارے کام سکھا سکتے ہیں جو ان کی روزانہ کی ضروریات سے متعلق ہیں۔۔۔

بٹ صاحب: لیکن اگر آپ عشر کی رقم سے کسی بے زمین کو زمین خرید دیتے ہیں تو وہ اسے کاشت کر کے خود عشر دینے کے قابل ہو جائے گا۔ اب وہ زمینیں جو غیر آباد ہیں یا حکومت کی ملکیت ہیں وہ ان میں تقسیم کی جا سکتی ہیں اور عشر کی رقم ان کے آباد کرنے پر خرچ کی جا سکتی ہے۔

سکھیرا صاحب: یہ آپ نے عشر کی رقم کا ایک ایڈیشنل مصرف بتایا ہے مسئلہ یہ ہے جیسا کہ بھٹی صاحب نے فرمایا ۔ لوگوں کو عشر اور زکوٰۃ کی رقم دے کر ان سے کام کرنے کی عادت چھڑا دی جائے یا شہر والوں کی طرح ایسی سکیمیں بنا کر انہیں بھی اجتماعی سہولتیں مہیا کی جائیں تاکہ ان کا معیار زندگی بلند ہو۔

مولانا عبداللطیف صاحب: یہ پتہ نہیں ہم نے کیوں تصور کر لیا ہے کہ ملک کے سارے کام عشر کی رقم سے ہی پورے کئے جائیں۔ یہ ہم نے عجیب بات بنالی ہے کہ ـــ کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر ادھر ہم عشر لگا رہے ہیں مگر خراج جزیہ وغیرہ نہیں لگا ہے اگر خراج کی رقم وصول کی جائے تو وہ عشر سے بھی زیادہ ہو گی۔ وہ آپ ان تمام مصارف پہ خرچ کر سکتے ہیں جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔

شمی صاحب: ایسی خراجی زمینیں بہت کم ہیں۔

سکھیرا صاحب: یہ بھی ایک ایڈیشنل پوائنٹ ہے لیکن پہلے ہمیں عشر کی رقم کے استعمال کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہیے۔

..دری صاحب: دیہات میں تعلیم کا بھی ایک مسئلہ ہے۔ ہمارے دیہاتوں میں تعلیم بالکل نہیں جب تک دیہات میں تعلیم عام نہیں ہوگی۔ ہرگز ترقی نہیں ہوگی۔ ....

سکھیرا صاحب: میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم ... تعلیم، میڈیکل، سینٹری پکے مکان ٹٹی پیشاب کی جگہ وغیرہ یہ ساری چیزیں آج کل کے مہذب دور میں بنیادی ضرورتیں ہیں لیکن سوال پھر وہی ہے کہ آیا ہم یہ رقم اس طرح کی سکیموں پر خرچ کر سکتے ہیں یا زکوٰۃ کی طرح عشر کی مدات بھی طے شدہ ہیں؟ فرض کیا ایک گاؤں کی عشر کی آمدنی اڑھائی لاکھ ہے اس میں سے آپ ان کو ایک ٹیوب ویل لگا دیتے ہیں پکی سڑکیں بنا دیتے ہیں سکول کھول دیتے ہیں۔ اساتذہ کو تنخواہیں دیدیتے ہیں وغیرہ۔ ....

ویسے میں بھٹی صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ دیہاتوں میں لوگ کلمہ پڑھنا نہیں جانتے میں بھی ایک دیہاتی ہوں۔ میرے خیال میں دیہات میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو کلمہ نماز نہ جانتا ہو البتہ اس حد تک ان کی بات درست ہے کہ وہ اس کا مطلب نہ جانتے ہوں۔ ....

مفتی صاحب: (سکھیرا صاحب سے) میں آپ سے یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو فی ایکڑ اوسط پیداوار آپ لگائیں گے وہ نہری یا بارانی یا ٹیوب ویل کی اوسط پیداوار ہوگی؟

سکھیرا صاحب: میں نے عرض کیا ہے کہ عشر سرکل بنائے گئے ہیں جن میں تیس یا چالیس گاؤں ہیں اور ہر ضلع میں چھ سات عشر سرکل ہیں اب ہر سرکل کی اوسط پیداوار تیس من پچیس من بیس من ہے دوسرے کی اٹھارہ، سولہ اور بارہ من ہے اور تیسرے

کی بارہ دس یا آٹھ من ہے تو ان سب کی کم سے کم اوسط نکالی جائے گی۔ تاکہ زمینداروں پر کم سے کم بار پڑے یعنی یہ نہ ہو کہ ایک چھوٹے زمیندار کو اپنی پیداوار سے بھی زیادہ عشر دینا پڑ جائے تو وہ کہاں سے دے گا۔

مفتی صاحب: میں نے یہ بات پوچھی ہے کہ .... (سکھیرا صاحب، مفتی صاحب کا سوال صحیح طور پر سمجھ نہیں رہے۔)

ملک خدا بخش بچہ صاحب (مفتی صاحب کو خطاب کرتے ہوئے) حضرت! میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ آپ نے بڑا اچھا سوال اٹھایا ہے قواعد کی رو سے ہر قسم کی اراضی پر مختلف اجناس کی اوسط مختلف ہوگی، آب پاش کی علیحدہ غیر آب پاش کی علیحدہ، ٹیوب ویل کی علیحدہ، کلاسیفکیشن آف سائل کے اعتبار سے۔ نہ کہ ہر ایک پر ایک ہی لگا دی جائے گی۔ میں تو یہی سمجھا ہوں۔

راؤ عبدالقدیر صاحب: میں عرض کروں۔ پنجاب میں ہماری جو فصلیں کاشت ہوتی ہیں ایک تو ان کے بیج مختلف ہوتے ہیں مثال کے طور پر گندم جس کے سات آٹھ قسم کے بیج ہیں۔ اس کے علاوہ آب پاشی کے مطابق اقسام اراضی رائج ہیں۔ ایک رقبہ سیلاب سے کاشت ہوتا ہے تو سیلابی گندم کہلاتی ہے، جھلار سے ہوتا ہے تو جھلاری، پہاڑوں کے پانی سے ہوتا ہے تو آبریز گندم، اور اگر صرف کنویں سے سیراب ہوتا ہے تو چاہی گندم، اور اگر ٹیوب ویل سے سیراب کرتے ہیں تو نل چاہی گندم اگر نہری پانی بھی ساتھ دیتے ہیں تو نل چاہی نہری گندم کہتے ہیں تو اس طرح ہمارے ہاں صرف گندم کی دس پندرہ اقسام ہو جاتی ہیں، پنجاب میں۔ صرف لاہور تحصیل میں پچھلے ربیع میں تئیس فصلیں کاشت ہوئیں باقی سبزیاں وغیرہ سب شامل کرنے سے تعداد ساڑھے تین سو تک پہنچ جاتی ہے۔

مفتی صاحب: آپ نے میرے سوال کو اور مشکل بنا دیا۔

راؤ صاحب: جی مشکل نہیں بنایا میں عرض کرتا ہوں۔.........

مفتی صاحب: نہیں۔ پہلے تو ہم صرف تین ہی قسمیں کہہ رہے تھے آپ نے بیچ کو بیچ میں لاکر تعداد خواہ مخواہ بڑھا دی۔

راؤ صاحب: لیکن وہ بات ممکن ہی نہیں تھی کیونکہ کوئی ایسی ایجنسی موجود نہیں تھی جو اتنی قسم کے اجناس کے مختلف ریٹ مقرر کر کے حساب کتاب رکھتی تاکہ اس کے مطابق وصول کر سکتے۔ اگر اصل میں دیکھیں تو ہر کاشت کار کی اوسط علیحدہ ہو گی بلکہ ہر کھیت کی علیحدہ پیداوار ہو گی۔ اس لیے حکومت کی زکوٰۃ کونسل نے جو قواعد مرتب کیے ہیں ان میں بلا لحاظ نہری یا بارانی اوسط صرف ایک مقرر کی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا "کم اوسط پیداوار" یعنی محکمہ مال کے چک تشخیص پہلے سے موجود ہیں، تقریباً پچاس ساٹھ گاؤں شامل ہوتے ہیں اس کا نام انہوں نے عشر سرکل رکھا ہے۔ اس عشر سرکل میں اگر کسی نے ربیع میں گندم کاشت کی ہو گی تو سارے عشر سرکل کی کم اوسط پیداوار ایک ہو گی۔ جو ضلعی زکوٰۃ کمیٹی باقاعدہ مشورہ کر کے اور خود مشاہدہ کر کے مقرر کرے گی۔ اس میں گنجائش یہ رکھی گئی ہے کہ اخراجات کی مد میں کوئی رعایت نہیں ہے۔

مفتی صاحب: سوال یہ تھا کہ ڈسٹرکٹ کونسل کے سامنے تین قسم کی زمینیں ہیں جن کی پیداوار مختلف ہے اب وہ کس کو معیار بنائے گی؟

راؤ قدیر صاحب: معیار صرف گندم بلا لحاظ قسم اور عشر سرکل کی کم اوسط پیداوار ہو گی۔

بٹ صاحب: یہ اب بات ہوئی۔

مفتی صاحب: یعنی بلا لحاظ قسم؟

راؤ قدیر صاحب: جی ہاں۔

مفتی صاحب: گذارش یہ ہے کہ ایک ڈسٹرکٹ کمیٹی کے سامنے یہ ہے کہ ایک ٹیوب ویل کی پیداوار ساٹھ من ہے نہری کی چالیس من بارانی کی پچیس من اب یہ بتلائیں کہ کیا کوئی اصول طے ہوا ہے کہ آیا تینوں کو ملا کر اوسط نکالیں یا نہری کا اوسط لے لیں کیا اصول کیا ہے؟

سکھیرا صاحب: اصول اس میں یہ ہے ... میں عرض کروں پاکستان میں اکثر علاقے ایک جیسے ہیں۔ مثلاً بارانی ہیں جیسے جہلم سائڈ کے۔ اسی طرح دوسرے ایک طرح کے علاقے ہیں ان میں جہاں اوسط پیداوار سب سے کم ہو گی اسی کو معیار بنایا جائے گا۔

مفتی صاحب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سوال اپنی سمجھ سے بنا رہے ہیں۔

سکھیرا صاحب: نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔

مفتی صاحب: کیا حکومت کی طرف سے بھی کوئی ہدایت ہے اس سلسلہ میں؟

سکھیرا صاحب: بالکل ہدایت ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: (مفتی صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے) مفتی صاحب! انہوں نے چھوڑا ہے زیادہ تر عشر کمیٹی کی صوابدید پر، وہ جائیں گے موقعہ پر اور دیکھیں گے کہ اس زمین سے کتنی پیداوار حاصل ہوئی ہے۔ اس حساب سے وہ اس کا اوسط نکالیں گے اور عشر طے کریں گے۔

مفتی صاحب: کمیٹی کے سامنے تین قسم کی زمینیں ہیں۔ وہ اوسط طے کرتے ہوئے کسے پیش نظر رکھے گی۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: بارانی کی بارانی کے طور پر، نہری کی نہری کے طور پر....

مفتی صاحب: دوسرا سوال یہ ہے کہ اب خاص طور پر جو مالیہ ہے اس سے کتنی رقم
اکٹھی ہوتی ہے؟

ملک بُچہ صاحب: میں بتلائے دیتا ہوں سارے ملک سے تئیس کروڑ روپے، مالیہ اور ترقیاتی ٹیکس ملا کر تئیس کروڑ چاروں صوبوں سے حاصل ہوتے تھے اور اب سات سو کروڑ روپے عشر کی آمدنی ہوگی۔

مفتی صاحب: ہمارے دیہاتوں کی آبادی پچھتر فیصد ہے اور زمینی ٹیکسوں سے آمدنی تئیس کروڑ روپے اس کے بَرعکس شہروں کی آبادی پچیس فیصد ہے لیکن وہاں سے حاصل ہونے والی آمدنی ۸ ارب کے برابر ہے۔

ملک بُچہ صاحب: آپ نے بالکل بجا فرمایا۔

مفتی صاحب: تو تئیس کروڑ ملا آپ کو دیہات سے اور آٹھ ارب شہروں سے، اب روپیہ جو خرچ ہوتا ہے دیہاتوں کے اوپر ترقیاتی سکیموں کی شکل میں وہ بذاتِ خود کتنا ہوتا ہے؟

ملک بُچہ صاحب: میں عرض کروں، یہ واقعی بڑا اہم سوال ہے۔ اس وقت ہر وہ مالک زمین جو پچیس ایکڑ آب پاش یا پچاس ایکڑ غیر آب پاش کا مالک ہے وہ مالیہ یا ترقیاتی ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔ اور اس طرح کے مالکوں کے پاس ستر فیصد رقبہ ہے۔ یہ تئیس کروڑ تو باقی ماندہ ـــــ تئیس فیصد رقبہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ جو آٹھ سو کروڑ شہری علاقوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کے بارے میں آپ نے فرمایا تو اس میں چودہ فیصد تو سیدھا آتا ہے جسے ڈائریکٹ ٹیکس کہتے ہیں باقی چھیاسی فیصد اِن ڈائریکٹ ٹیکسوں سے حاصل ہوتا ہے۔ جو ملک کے سارے لوگوں پر عائد ہوتا ہے، بلا تخصیص چاہے وہ شہری ہیں، دیہاتی ہیں یا جو بھی ہیں وہ کسی ایک طبقہ

پر نہیں لگتا مثلاً مختلف ڈیوٹیز ہیں جیسے ایکسائز ڈیوٹی . . . .

تی صاحب : لیکن میں تو اس آمدنی کی بنیاد پر ایک دوسری بات کہنا چاہتا ہوں۔

صاحب : جی فرمائیے

تی صاحب : وہ یہ ہے کہ پچانوے کروڑ روپیہ تو آیا ہے زکوٰۃ سے اور یہ اب بتا رہے ہیں کہ سات سو کروڑ حاصل ہو گا عشر سے جب کہ مالیہ سے ملتا تھا صرف تئیس کروڑ روپے جس سے چھوٹے کاشتکار مستثنیٰ تھے۔ استثنیٰ تو بہرحال عشر میں بھی ہے یعنی کم از کم پانچ وسق۔

یہ صاحب : یہ تو کچھ بھی نہیں۔

تی صاحب : بہرحال یہ جو سات ارب روپیہ ہمیں عشر سے حاصل ہو گا . . . . .

ٹ صاحب : بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہو گا۔

فتی صاحب : دیہاتوں کی اقتصادی حالت بہت خستہ ہے۔ وہاں افلاس اور غربت بہت زیادہ ہے لہٰذا وہ عشر لیں گے، دیں گے نہیں۔ اب ہم نے جو عشر رکھا ہے وہ میرے حساب میں تقریباً اڑھائی فیصد آتا ہے۔ اس طرح کہ ہم نے پانچ وسق تو مستثنیٰ کر دیا۔

ولانا فضل الرحمٰن صاحب : یعنی چھبیس من۔

فتی صاحب : چھبیس من تو چلے گئے . . . . .

بچہ صاحب : نہیں صاحب اگر صرف چھبیس من ہوں تو وہ مستثنیٰ ہیں۔ نہ کہ چھبیس من منہا ہوں گے۔

مفتی صاحب : دیکھیے صاحب ! مثلاً سو من پیدا ہوا تینتیس فیصد تو نکل گیا ٹیوب ویل کا۔ اب بچ رہے۔ سرسٹھ ۶۶ فیصد۔ اس میں سے آپ نے پانچ فیصدی لیا۔ اب

کتنا بچے گا یہ؟

بٹ صاحب: ساڑھے بارہ فیصد

مفتی صاحب: سڑسٹھ میں سے ہم نے جو عشر لینا تھا وہ نصف عشر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تینتیس من سے لیا۔

بُچہ صاحب: چونتیس من سے۔

مفتی صاحب: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے سو میں سے چونتیس من پر عشر لیا۔

بچہ صاحب: جناب! یہ سوال آپ کے ذہن میں بارانی، نہری اور دوسری زمینوں کی تقسیم کی وجہ سے آیا ہے لیکن حکومت نے یکسانیت کے اصول کو پیش نظر رکھا ہے۔ یعنی ان سب سے بیس فیصد عشر لیا جائے گا۔ وہ تینتیس من جو آپ کاٹ رہے ہیں وہ تو آپ بارانی رقبہ تصور کر کے کاٹ رہے ہیں یہاں تو زیادہ تر آبپاش رقبہ ہے۔۔۔۔

مولانا فضل الرحمٰن: نہیں نہیں۔

مفتی صاحب: اور ٹیوب ویل کا رقبہ؟

بُچہ صاحب: وہ بھی تو آبپاش میں شمار ہوتا ہے۔

مفتی صاحب: مگر اس میں عشر ہے یا نصف عشر؟

مختلف آوازیں: نصف عشر ہی ہے۔

بُچہ صاحب: نہیں صاحب ہم نے تو یہ سب آرڈی ننس میں پڑھا ہے۔ (سکھیرا صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ صاحب بیٹھے ہیں۔ وضاحت کریں گے۔

راؤ قدیر صاحب: بیسواں حصہ ہے، آب پاش میں سے پانچ فیصد۔۔۔۔

بُچہ صاحب: عشر کا تو نصف ہے۔ اصطلاحی طور پر آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ دسواں

نہیں ہوگا۔ بیسواں ہوگا۔ یہ تمام کے لیے ہے۔۔ مگر وہ اس حدیث کے مطابق ہے جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ آب پاش کا نصف لے لو عشر کا۔ اس پر بنا کر رہے ہیں۔

تی صاحب: اس حدیث کا مطلب تو یہ ہے۔ حضرت صاحب! حضورؐ نے فرمایا تھا مُصدق سے کہ تم جاؤ اور ایک تہائی $\frac{1}{3}$ عشر سے چھوڑ آؤ۔ تاکہ وہ اس حصہ کو اپنے طور پر اپنے عزیزوں میں تقسیم کر سکیں یہ نہیں کہا تھا کہ ایک تہائی پر سے عشر چھوڑ دینا۔

صاحب: یعنی عشر میں سے $\frac{1}{3}$ چھوڑ دیا تاکہ وہ از خود خرچ کریں یہ تو بہت اچھی بات ہے ــــ (سکھیرا صاحب اور راؤ قدیر صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی مہربانی ہوئی اگر یہ چھوڑ دیں۔ قہقہہ.....

تی صاحب: اب رہا ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر عبدالغفور بھٹی) کا مسئلہ تو وہ بڑی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی ہماری عشر و زکوٰۃ کی آمدنی اتنی نہیں ہے کہ مستحقین کی انفرادی ضروریات سے بچ رہے لیکن اگر فی الواقع وہ ان کی ضروریات سے زائد ہو تو اجتماعی فائدے کے لیے ان کے استعمال کی آسان شکل یہ ہے کہ اس علاقے میں ایک آدمی کو آپ مستحق قرار دے کر اسے عشر میں سے رقم دے دیں ٹھیکے کے طور پر اور کہیں کہ اس سے یہ مکان بنا ڈیا سٹرک مدرسہ یا جو کچھ پیش نظر ہو یہ تو بالکل آسان بات ہے۔

ماحب: آسان تو ہے مگر۔۔۔۔

یرا صاحب: مثلاً مفتی صاحب! ایک آدمی ٹیوب ویل لگاتا ہے گاؤں کے تمام افراد کے لیے اب ٹیوب ویل پہ خرچ آتا ہے، کم از کم ساٹھ ستر ہزار روپے

کے لگ بھگ تو یہ ساٹھ ستر ہزار روپیہ شریعت میں کیا ایک آدمی کو دینا جائز ہے؟

مفتی نعیمی صاحب و مولوی عبداللطیف صاحب: (یک زبان) دے سکتے ہیں آپ۔

مولانا عبداللطیف صاحب: ایک دم دے سکتے ہیں اگر مستحق ہے وہ۔ اور وہ اسے خرچ کر سکتا ہے

حافظ غلام حسین صاحب: لیکن اس میں آپ اسے مجبور کریں گے کہ وہ اسے ٹیوب ویل لگانے پر خرچ کرے۔ لیکن اگر آپ خود گاؤں والوں کو ٹیوب ویل لگا دیں۔ جس سے سب لوگ استفادہ کریں تو اس میں کیا حرج ہے۔ یعنی وہ سب کی اجتماعی ملکیت ہو۔

مظاہری صاحب: لیکن وہ ٹیوب ویل تو ایک شخص کی ملکیت ہو گا اس کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو پانی دے یا نہ دے۔

مفتی صاحب: وہ تو وقف کر دے گا۔

حافظ غلام حسین صاحب: تو پھر اتنا لمبا طریق کار اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی بجائے اگر یہ کیا جائے کہ ٹیوب ویل کو غرباء کی اجتماعی ملکیت قرار دے دیا جائے۔ بے شک کاغذات ملکیت ان کے سپرد کر دیں آپ۔

مظاہری صاحب: یہ تو بہت پُرفتن ہے اسے تو حکومت کے انتظام میں ہونا چاہیے

مولانا عبداللطیف صاحب: تو پھر کوئی انجمن بنا دیں۔ ایک کمیٹی بنا دیں، اس کے انتظام کے لیے۔

سکھیرا صاحب: کمیٹیاں تو موجود ہیں۔ ہر دیہات میں زکوٰۃ کمیٹی قائم ہے۔۔۔۔

مولانا لطیف صاحب: لیکن وہ مستحقین کی کمیٹی تو نہیں۔۔۔۔

بھٹی صاحب: واقعی ایک مستحقین کی کمیٹی بنا دیں۔ اسے تمام پیسے دے دیں اور خرچ کرنے کے لیے کہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: اب جو زکوٰۃ تقسیم ہو رہی ہے، اس کا طریقہ کار جیسے
گیا ہے، زکوٰۃ کمیٹی کے پاس آجاتی ہے اور کمیٹی والے اسے آگے تقسیم
ہیں تو کیا اس طرح تملیک ہو جاتی ہے؟ —
سوال تو یہ ہے کہ کیا کمیٹی اس رقم کی مالک بن جاتی ہے؟

مختلف آوازیں: یوں تو تملیک نہیں ہوتی۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تملیک نہ ہوئی۔

حافظ غلام حسین صاحب: جہاں پیسہ جا رہا ہے وہاں تو تملیک ہو گئی کمیٹی تو درمیہ
یان وکیل ہے۔

مفتی صاحب: ہاں تو ہر کمیٹی میں ایک مستحق آدمی کو شریک کرنا چاہیے اور اس کے
یہ تمام کام کروائے جائیں۔

بچہ صاحب: جب آپ اس کو ایک دفعہ دیدیں گے تو دے گا نہیں۔ قہقہہ۔۔۔

سکھیرا صاحب: اسلام میں فلاح و بہبود کا جو تصور ہے وہ کسی اور نظام میں نہیں:
بات پر ایمان ہے کہ اگر نظام زکوٰۃ پوری طرح نافذ ہو گیا تو آج یہ جو امیر اور غریب
جنگ ہو رہی ہے ختم ہو جائے گی امیر کی دولت میں غریب کا اڑھائی فی
حصہ ہے، اب جس غریب کو یہ معلوم ہو گا وہ اس سے جلے گا نہیں، حسد
کرے گا بلکہ اس کے لیے دعا کرے گا۔ اسی طرح امیر کے دل میں ہمدرد
جذبہ پیدا ہو گا وہ خدا کا بھی شکر گزار ہو گا۔ اب آپ نے اس مملکت کو
فلاحی اسلامی مملکت بنانا ہے یہ بات تو ٹھیک ہے کہ پہلے غریبوں کی
کی بنیادی ضروریات پر خرچ کیا جائے مگر جو رقم بچ رہے اس کو اسی آباد
فلاح اور بہتری پر لگا دیا جائے ۔۔۔۔

ب : سکھیرا صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے میں اس کی ذرا وضاحت کر دوں، غریب کی ایک ضرورت ہے، انفرادی اور دوسری ضرورت ہے، اجتماعی یہ فرما رہے ہیں کہ دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کی اجازت دی جائے۔

صاحب : ٹھیک ہے۔

صاحب : آج کی بحث میں گویا فیصلہ ہو گیا جیسا کہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ عشر کا پیسہ غریب کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات پر خرچ ہو سکتا ہے۔ امام رازی علامہ سید سلیمان ندوی اور موجودہ دور کے مولانا مودودی نے فی سبیل اللہ کے ضمن میں اس قسم کا فتویٰ دیا ہے۔

عبداللطیف صاحب : ذرا تصریح ہو جانی چاہیے کہ کونسی اجتماعی ضروریات ہیں اور وہ کس طرح پوری ہوں گی؟

تی صاحب : میری گذارش سنیے، غریب کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات پر عشر کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے مگر اس کے لیے یہ ہو گا کہ اجتماعی ضروریات کے لیے آپ پیسے ایک مستحق کے ہاتھ سے خرچ کروائیں گے۔ اگر آپ اس بات کے لیے تیار ہوں کہ ایک پائی آپ کے نام کی نہیں بلکہ ایک غریب کے نام کی ہو تو وہ ٹھیک ہے۔ اس میں آپ کا کوئی دخل نہیں ہو گا۔ آپ یہ نہیں کہیں گے کہ ہم نے بنائی ہے۔

ظاہری صاحب : یہ جو کچھ صاحب نے سمجھا ہے اور سمجھانا چاہتے ہیں، اس طرح تو سرے سے زکوٰۃ و عشر کے مصارف کی تقسیم کا ہی کوئی فائدہ نہیں۔ سارا ملک ہی غریب ہے۔ اس کے ہر کام پر زکوٰۃ خرچ ہونی چاہیے۔ یہ بات اس طرح نہیں۔

بچہ صاحب: ایک دیہات ہے اس میں امیر بھی رہتے ہیں غریب بھی متوسط بھی۔
اس کی سڑکیں خراب ہیں، گلیاں خراب ہیں۔ اگر ہم ان کو ٹھیک کر دیں تو ان سے امیر
بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ غریب بھی تو کیا یہ جائز ہے؟

مفتی صاحب: میں نے کہا یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر اپنے ہاتھ سے نہ کیجیے بلکہ ایک
مستحق کے ہاتھ سے کرائیے۔

مظاہری صاحب: اس بات کا مفتی صاحب! کوئی فائدہ نہیں یہ فتنہ والی بات ہے۔

بچہ صاحب: اس کو جب یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ پیسے اس کی ملکیت ہیں تو وہ
اِن کاموں میں کیوں خرچ کرے گا۔

مفتی صاحب: ایک تو یہ ہے کہ آپ کے گاؤں میں ایک غریب ہے، یہ ضروری
نہیں کہ آپ اس کو سارے پیسے دیدیں بلکہ اسے آپ پانچ ہزار دیں اور کہیں
کہ اینٹیں لے آؤ۔۔۔۔

بچہ صاحب: میں جناب! پانچ ہزار دیتا ہوں وہ اینٹیں نہیں لاتا اب میں کیا کروں؟

مولانا فضل الرحمٰن: اگر آپ اس کو پانچ ہزار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اینٹیں لاؤ اور وہ
اس رقم سے خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو یہ تملیک تو نہ ہوئی۔

مفتی صاحب: اگر آپ یہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تو دوسرا طریقہ بھی اختیار نہیں
کر سکتے یعنی کمیٹی کے ذریعے۔

حافظ غلام حسین صاحب: یہ جو ہم تملیک پر اتنا زور لگا رہے ہیں تو کیا ہم یہ نہیں کر سکتے
کہ ایک قدم آگے بڑھ کر جو کچھ بھی بنانا ہے بنا کر اس کی اجتماعی تملیک اس
گاؤں کے غرباء کے نام کر دیں۔

مفتی صاحب: یہی بات ہم بھی کہہ رہے ہیں کہ تملیک ایک کو ہو یا چار کو بہر حال

وہ ہوگی غرباء کے نام ہی۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: مفتی صاحب! بچّہ صاحب بات کر رہے تھے فی سبیل اللہ کی۔ ذرا آپ اس پر غور کریں۔۔۔۔

بچّہ صاحب: مذاہب اربعہ میں فی سبیل اللہ کا جو تصور ہے وہ تو یہی تھا کہ یہ جہاد کے لئے ہے مگر جدید علماء نے اس میں بہت وسعت پیدا کر دی ہے تو کیا "فی سبیل اللہ" اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم بغیر تملیک کے جھگڑے کے خرچ کر سکتے ہیں؟ مقصد میرا یہ تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: میں اس سلسلہ میں کچھ عرض کروں۔ اسلامی ریاست کا جو قیام ہوتا ہے وہ اللہ کے نام پر ہوتا ہے۔ اس کا دفاع، اس کی بقاء، اس کا انتظام اور اس کی فلاح اللہ ہی کے نام پر ہوتی ہے۔ تو جب یہ سب کچھ اللہ کے نام پر ہوا تو کیا یہ فی سبیل اللہ میں نہیں آتا؟

اس میں مفسرین نے، جیسا کہ بچّہ صاحب کہہ رہے تھے، زکوٰۃ کو فلاحی مصارف پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو پھر ہم کیوں خواہ مخواہ تملیک کے جھگڑے میں پڑ کر اس کار خیر سے پرہیز کریں

مفتی صاحب: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن میں خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف گنوا کر معاذ اللہ مذاق کیا ہے۔ یوں تو پورے ملک کے جتنے مسائل ہیں ان سب کا حل فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔۔۔

مولانا عبداللطیف صاحب: پھر تو آپ عشر میں سے صدر صاحب کو تنخواہ بھی دے دیں عشر سے فوج بھی بنالیں اور سارے کام کرلیں۔

مولانا عبدالرشید صاحب: قرآن نے جو یہ زکوٰۃ کے مصارف مقرر کیے ہیں، کیوں کیے ہیں؟

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: جناب! پھر فی سبیل اللہ کا معنی کیا ہوگا؟

مفتی صاحب: فقہا نے فی سبیل اللہ سے تین آدمی مراد لیے ہیں ایک مجاہد، ایک حاجی، ایک طالب علم۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: اس میں بعض نے وسعت بھی پیدا کی ہے۔ میرے پاس یہ کتاب الخراج ہے۔ قاضی ابویوسف کی اس میں لکھا ہے۔

وسھم فی اصلاح طرق المسلمین۔

مفتی صاحب: یہ کس کا قول ہے؟

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: یہ حضرت امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔

مظاہری صاحب: یہ تو آپ سب حضرات تسلیم کرتے ہیں کہ عشر اور زکوٰۃ ایک خاص فنڈ ہے۔ اور اس کے کچھ مصارف ہیں۔ آپ اگر اتنی تعمیم کریں گے تو پھر اس کی خصوصیات کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

سکھیرا صاحب: ایک بات کا لحاظ رکھنا چاہیے، پہلا حق غربا کا ہے ان کی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو کچھ آپ کے پاس بچ رہے اس کے مصرف کے لیے آپ کچھ تجویز کریں۔

حافظ غلام حسین صاحب: اسی معاملے پر گفتگو ہو رہی ہے کہ دیہات میں جو غربا ہیں ان کی ضروریات پوری کر لینے کے بعد جو رقم بچ رہے گی کیا ہم اس کو کسی ترقیاتی کام پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ہاشمی صاحب: مثلاً سڑکیں ہیں، اگر عشر کی رقم سے بنا دی جائیں تو اس پر غربا بھی چلیں گے اور امرا بھی۔ اس پر آپ کو اعتراض کیا ہے؟ دیکھیے نا، آپ نے فی سبیل اللہ

کو تین مصارف میں مقید کر دیا ہے کس نے آپ کو یہ حق دیا ہے کہ آپ یہ قید لگائیں؟ قرآن کے ایک لفظ فی سبیل اللہ کو کس بنیاد پر آپ نے تین میں منحصر کیا؟ یا تو کوئی حدیث بیان کیجیے یا کوئی دلیل دیجیے۔

لانا فضل الرحمٰن صاحب: میں اس کو ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہوں۔ امام رازی کی تفسیر کبیر میں ہے "وفی سبیل اللہ عام فی الکل عند بعض الفقہاء"

ری صاحب: ہاں عند بعض الفقہاء

ل الرحمٰن صاحب: (اپنا عربی کا حوالہ جاری رکھتے ہوئے) مردے کی تدفین و تکفین تعمیر عمارات مسجد وغیرہ پر خرچ ہو سکتا ہے (انہوں نے شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے ایک عربی عبارت پڑھ کر سنائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم فلاحی امور پر خرچ کی جا سکتی ہیں۔)

سفتی صاحب: یہ جو کچھ بھی ہے۔ بعض فقہاء کا قول ہے اس کے برعکس اکثر اور جمہور فقہاء کا دوسرا قول ہے۔ معنیٰ و مفہوم کے لحاظ سے "فی سبیل اللہ" سے مراد سڑک یا نالی نہیں بلکہ اس سے مراد ہے اللہ کا راستہ اور اللہ کا راستہ وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تک پہنچائے۔ تو فی سبیل اللہ میں صرف وہی عمل شامل ہو سکتا ہے جس کا مقصد اللہ تک پہنچانا ہو جیسے جہاد ہے لوجہ للہ، حج ہے تو وہ "الی اللہ" ہے اور علم ہے تو وہ "للہ" فی اللہ، باللہ" یہ تینوں اسی لیے فی سبیل اللہ میں شامل ہیں اب یہ کہ نالی بھی فی سبیل اللہ میں شامل ہے، کوچہ بھی جھونپڑی بھی یہ کس طرح؟

ہاشمی صاحب: اگر گاؤں کے چند پیاسوں کو کسی ٹیوب ویل سے پانی مل جائے۔ تو یہ اللہ کے نام پر نہیں ہوگا؟

حافظ غلام حسین صاحب: ایک بات اور ہے کہ بیت المال عشر کی رقم سے گاؤں

میں ایک کنواں لگا دیتا ہے جس سے بیت المال کو کرایہ وصول ہوتا ہے
طرح عشر کی رقم بڑھتی رہتی ہے اور وہ کنواں بیت المال ہی کی ملکیت
ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

مفتی صاحب: بیت المال کس کا نام ہے؟ کسی مستحق کا نام ہے؟.....

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: حضرت ذرا غور فرمائیں یہ فلسفہ زکوٰۃ کیا ہے؟ جیسا کہ ہ
بھائی نے ابھی فرمایا کہ اس میں غریبوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے تو ا
دیکھیے کہ "توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقرائھم" اس میں
چلیے، ایک فیکٹری لگتی ہے جو کروڑوں روپے کی ہے۔ لیکن اس فیکٹر؟
اس کی مشینوں پر زکوٰۃ نہیں لگائی جا سکتی اس لیے نہیں کہ وہاں سے
فائدہ اٹھا رہے ہیں، نفع حاصل کر رہے ہیں۔ زکوٰۃ کا فلسفہ بھی یہی ہے
نزدیک۔ ہو سکتا ہے میں غلط ہوں یعنی امیر آدمی کے مال میں غریب آد
بنا دیا جائے اور یوں ساری قوم کو اکٹھا کر دیا جائے۔

نوری صاحب: ایک اور سوال بھی ہے کہ بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ سے استفاد

نُجیہ صاحب: اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس وقت تک
تھی جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری حیات میں موجود تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ حضرت عمر فاروق،
تعالیٰ عنہ کا ایک بیت المال تھا۔ اس میں سے وہ فوج کو تنخواہیں دیتے
سڑکیں بنواتے تھے اسلحہ خریدتے تھے سب کام کرتے تھے۔ اب ہ
پاس کوئی ایسی روایت نہیں جس سے ہم یہ تخصیص کر سکیں کہ فلاں مال :
لگتا تھا اور فلاں مال فلاں پر۔ میں ایک تاجر ہوں اور تاجر ہونے کے

ٹیکس سے بہت ہی نالاں ہوں۔ اس لئے میں نے بڑی کتابیں دیکھی ہیں مجھے ایک بھی روایت ایسی نظر نہیں آئی جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے بیت المال کے خانے بنائے ہوئے تھے اور ایک خانہ میں سے ایک مد پر اور دوسرے خانے میں سے دوسری مد پر خرچ کرتے تھے۔ ایسا بالکل نہیں تھا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

ہاشمی صاحب: درمختار میں لکھا ہوا ہے کہ بیت المال کے چار حصے ہوں گے۔ فے کے مال کو الگ رکھنا ہوگا زکوٰۃ و عشر کے مال کو الگ، غنائم کو الگ اور ٹیکسز کو الگ۔۔۔۔

مفتی صاحب: جو ایک جائز صورت نظر آتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ ہر کمیٹی میں ایک نمائندہ مستحقین کا بھی رکھ دیں آپ کے بہت سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ سادات کو بھی دے سکتے ہیں، لیکن اس نمائندے کے ذریعے۔ اس طرح وہ تمام مصارف جو براہ راست زکوٰۃ سے نہیں ہو سکتے، اس ممبر کے ذریعے آپ کرا سکیں گے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: (مولانا عبداللطیف صاحب سے) حضرت آپ نے وہ حوالہ دیکھا؟

مولانا عبداللطیف صاحب: ہاں دیکھا ہے اس میں اصلاح مسلمین کا تصور ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: اصلاحِ مسلمین ہے نا اس میں تو بس پھر معاملہ ٹھیک ہے۔

ہاشمی صاحب: (مفتی صاحب سے) ذرا آپ بھی دیکھیے۔

حافظ غلام حسین صاحب: لیکن تملیک کے مسئلے میں جو چیز کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم اس کو یعنی مستحق کو مجبور کریں گے کہ یہ پیسہ صرف اس کام میں لگاؤ

تو ملکیت کہاں رہ گئی؟

مظاہری صاحب: اگر آپ مصارف میں تخصیص مانتے ہیں تو اس حساب سے بات کریں اور تعمیم کو اس قدر مصارف میں داخل نہ کریں۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب: اب اس سے واضح اور بات کیا ہو سکتی ہے۔ مفتی صاحب! آپ نے بھی وہ کتاب دیکھی؟

بٹ صاحب: میں ایک چھوٹا کاشتکار ہوں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ان پانچ چھ سالوں میں دینی اعتبار سے خاصی تبدیلی ہوئی ہے۔ مسجدیں آباد ہوتی ہیں۔ نمازی بڑھے ہیں خصوصاً ان آبادیوں میں جہاں امیر لوگ رہتے ہیں۔ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور زکوٰۃ پر تنقید نہیں کرتے۔ لیکن نظام زکوٰۃ میں کچھ ترمیموں کی ضرورت ہے۔ مثلاً بجائے اس کے کہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والے دروازے پر جا کر دستک دیں اور اور بلند آواز سے کہیں کہ سکینہ بی بی! یہ آپ کا سو روپیہ ہے کیوں نا بینک میں اکاؤنٹ کھلوا دیا جائے اور پاس بک ان کو دے دی جائے۔ تاکہ یہ پیسہ خود بخود ان کے نام ٹرانسفر ہوتا رہے۔ اور یہ لوگ خود جا کر بینک سے لے لیا کریں۔

سکھیرا صاحب: ہاں عزت نفس کا بہر حال خیال رکھا جائے مگر جس طرح آپ فرما رہے ہیں اس طرح تو یہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ لوگوں کو خود کفیل بنایا جائے مثلاً ان کو ریڑھیاں لے کر دے دی جائیں، مختلف چیزیں بیچنے کے لیے۔ سلائی مشین کی تربیت دی جائے وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ آج کے لینے والے کل کے دینے والے بن جائیں۔

نوری صاحب: ہاں جناب! ٹھیک ہے۔ عشر کے پیسے سے فیکٹریاں بھی لگوائی جائیں اور ان میں مستحقین کو ملازمت دی جائے۔

بُچہ صاحب: مفتی صاحب! میں مذاکرہ میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ سے عشر آرڈیننس کے بارے میں وضاحت حاصل کروں۔

مفتی صاحب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک ایک سوال اٹھائیں۔

بُچہ صاحب: میں گذارش کرتا ہوں۔

مفتی صاحب: پہلی چیز کیا ہے؟

بُچہ صاحب: پہلی بات یہ ہے کہ کیا پاکستان کی اراضی عشری ہیں؟ مسائل بڑے لمبے ہیں، میں ان کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مفتی صاحب: زیادہ تر عشری ہے بہت کم خراجی ہے۔

بُچہ صاحب: اعلان کرنا پڑے گا کہ کون سی عشری ہے اور کونسی خراجی۔ ابھی تک تو اعلان نہیں ہوا۔

ہاشمی صاحب: غیر مسلم مالکان کی زمین خراجی ہے۔

مفتی صاحب: آگے چلیں

بُچہ صاحب: کیا ہر قسم کی پیداوار پر عشر لگانا جائز ہے؟

مفتی صاحب: جائز ہے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: بالکل، ہر قسم کی پیداوار پر عشر ہے۔

بُچہ صاحب: یعنی امام ابو یوسف کو چھوڑ دیں؟

مفتی صاحب: نہیں۔ کچھ اختلاف ہے، سبزی ترکاری وغیرہ کے معاملہ میں

بُچہ صاحب: امام ابو حنیفہؒ کا وہ لکڑی اور بانس والا مسئلہ بھی چھوڑ دیں؟ امام صاحب نے تو تین چیزیں چھوڑ دی ہیں۔

مفتی صاحب: آگے چلئے

بچہ صاحب : کیا کسی مسلم مالک کو عشر سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟

مفتی محمد حسین نعیمی صاحب، مولانا عبداللطیف صاحب اور جملہ اصحاب مجلس : نہیں۔ ہرگز نہیں

بچہ صاحب : تو کیا مالک اور مزارع کی پیداوار میں امتیاز درست ہے؟

مولانا لطیف صاحب : دونوں پر عشر ہے۔

بچہ صاحب : مگر اس وقت نہیں ہے۔

راؤ عبدالقدیر صاحب : مزارع پر رضاکارانہ ہے۔ اس کی مرضی پر منحصر ہے وہ خود ادا کرے یا نہ کرے لازمی نہیں۔

بچہ صاحب : کیا بارانی اور آب پاشی کے رقبوں سے ایک ہی شرح سے وصولی عشر جائز ہے؟

مفتی نعیمی صاحب و مولانا عبداللطیف صاحب : نہیں

راؤ قدیر صاحب : اس میں یہ ہے کہ بارانی والا اپنا باقی حصہ رضاکارانہ طور پر ادا کرے۔

بچہ صاحب : کیا پیداواری اخراجات کی کٹوتی شریعت کے خلاف ہے؟

مفتی نعیمی صاحب و لطیف صاحب : جی ہاں! یہ خلاف شریعت ہے۔

بچہ صاحب : کیا دینی مدارس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے؟

مفتی صاحب : ہاں دے سکتے ہیں۔ قہقہہ

بچہ صاحب : یہ باتیں تو ختم ہو گئیں لیکن میری مشکلات اور الجھنیں کچھ اور قسم کی ہیں۔ میرے یہ دونوں بھائی بیٹھے ہیں (سکھیرا صاحب اور راؤ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) قانون میں یہ لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایک مخصوص تسلیم شدہ فقہ کا متبع ہوں اور اس کے تحت میں عشر دینے کا مستوجب نہیں تو وہ مستثنیٰ ہو گا؟ یہ بھی نہیں کہ سارے کا کہہ دے بلکہ اگر ایک حصے

کا بھی کہے تو بھی امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ سبزی پر عشر نہیں ہے اب میں اگر کہوں کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق میں سبزی کا عشر نہیں دوں گا تو کیا سارے سے مستثنیٰ ہو جاؤں گا؟ یہ قانون میں غلطی ہے۔

مفتی صاحب: آپ کا سوال معقول ہے۔

بچہ صاحب: دوسری چیز یہ ہے جناب قانون میں یہ لکھا ہے کہ ہر وہ شخص جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے وہ عشر دینے سے مستثنیٰ ہے۔ اور چونکہ آیت نمبر ۶۰ سورہ توبہ کے مطابق مقروض زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ زکوٰۃ کا حقدار ہو گیا تو دیہاتی کم و بیش سبھی مقروض ہوتے ہیں۔ گویا وہ سارے مستثنیٰ ہو گئے عشر سے؟ میں قانون کی بات کر رہا ہوں۔ شریعت کی نہیں۔

مفتی صاحب: استثناء غلط کیا گیا ہے۔

بچہ صاحب: تیسری چیز یہ ہے، آپ جس کا بڑا ذکر کر رہے تھے، (سکھیرا صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فقراء مساکین اپاہج وغیرہ کا اور ان کی بحالی کا۔ اور ان سب کے بعد کوئی دوسرا مقصد، جس کی شریعت اجازت دے اس پر بھی خرچ ہو گا۔ لیکن میں کون ہوں اس کا فیصلہ کرنے والا اور قانون بھی میری کوئی رہنمائی نہیں کرتا جناب! آپ نے اس مجلس میں دیکھا کہ کتنی آراء مختلف ہیں۔ تو میرا ان بزرگوں سے یہی سوال ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کریں کہ مقروضین کو دینا ہے یا نہیں؟ تفسیر کبیر میں تو صاف لکھا ہے کہ مقروض کو دیا جائے۔ اور انہوں نے جو قواعد بنائے ہیں ان کے مطابق قرض حسنہ دینا منع ہے؟

مفتی صاحب: (استعجاباً) "منع ہے؟"

بچہ صاحب : ہاں جناب ! صاف لکھ دیا گیا ہے۔ قاعدہ تقسیم کار نمبر۱۶ کی رو سے قرضہ حسنہ کی ممانعت ہے۔ تو ان چیزوں سے پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

بچہ صاحب : اور جناب رہے اجتماعی کام تو ان کی بھی کوئی تفصیل نہیں ہے اس سلسلہ میں حکومت کو متعین کرنا چاہیے تھا کہ پہلے سال میں یا پہلے پانچ دس سالوں میں ہمیں یہ اجتماعی کام کرنے ہیں۔ یہ میری کچھ الجھنیں تھیں جو میں نے عرض کر دی ہیں۔

مفتی صاحب : آپ کی یہ الجھنیں کافی حد تک درست ہیں، لیکن بات یہ ہے، جو حکومت کہہ رہی ہے کہ ہمیں تجربتہً ایک سال گذار لینے دو اس دوران جس جس کوتاہی کی نشاندہی کی جائے گی اسے ہم بعد میں درست کر لیں گے۔

بچہ صاحب : ہم نے تو سنا تھا کہ اگر پہلی اینٹ غلط رکھ دی جائے تو سارا کام ہی غلط ہو جاتا ہے۔ قہقہہ . . . .

شاید ہم نے غلط سنا ہو گا۔

سکھیرا صاحب : اچھا، اس میں آپ دیکھئے، میں چند ایک کا جواب دوں گا۔ مثلاً جتنے بڑے جاگیردار اور زمیندار ہیں وہ ٹریکٹر خریدتے ہیں۔ اب ٹریکٹر قرضے کے بغیر نہیں ملتا ہے۔

محبوب الٰہی صاحب : نہیں ویسے بھی ملتا ہے۔

سکھیرا صاحب : پہلے ملتا تھا اب نہیں ملتا۔ (بات جاری رکھتے ہیں) اب بڑے جاگیرداروں نے اگر قرضہ لیا ہے ٹریکٹر کے لیے تو مقروض ہونے کی صورت میں وہ بھی عشر سے مستثنیٰ ہوں گے۔ یہ نہیں کہ وہ قرض کے بغیر خرید نہیں سکتا، خرید سکتا ہے لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ آئندہ کوئی نئی حکومت آ

گئی تو پتہ نہیں زمین رہتی ہے یا نہیں رہتی۔ اس لیے وہ حکومت سے قرضہ لے لیتا ہے۔ یہ جو بڑی بڑی فیکٹریاں لگتی ہیں ان کے لیے قرضہ لیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ کسی وقت قومیا لی جاتی ہیں تو حکومت ہی کا مال حکومت کو مل جائے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار یا زمیندار ہیں کیا سب زکوٰۃ اور عشر سے مستثنیٰ ہو گئے؟ کیونکہ وہ ہزاروں روپے کے مقروض ہیں۔

بچہ صاحب: میں تو کہتا ہوں کہ روک دیجئے۔

مولانا لطیف صاحب: وہ مستثنیٰ نہیں ہیں۔ مقروض عشر سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

بھٹی صاحب: تو قانون میں ترمیم کرائیں تاکہ یہ استثنیٰ نہ رہے۔ بچہ صاحب کا یہ مطلب نہیں کہ مستثنیٰ کریں بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ استثنیٰ نہ ہو۔

سکھیرا صاحب: میں تو اُنہیں کی بات کا جواب دے رہا تھا۔

بھٹی صاحب: اُن کا مطلب یہ ہے کہ اس جملہ استثنائیہ سے مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔

سکھیرا صاحب: دیکھیے نا! یہ کام ہے نعیمی صاحب کا۔ قانون میں شرعی طور پر سقم محسوس ہو رہا ہے اور یہ خود قانون بنانے والوں میں شامل ہیں ویسے بھی ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے ان کا یہ فرض بنتا ہے کہ اگر یہ کوئی شرعی قانون ہے اور انتظامیہ کو اس کا علم نہیں تو یہ ان تک بات پہنچائیں۔

مفتی صاحب: تو یہ بات ہے۔

بچہ صاحب: مفتی صاحب! مجھے ایک منٹ اجازت دیں۔ میری بات سکھیرا بھائی پوری طرح نہیں سمجھے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ ان کو مستثنیٰ کرو بلکہ میں نے یہ کہا تھا

کہ یہ قانون ہے، اس کی توضیح کر دی جائے۔ آپ کر دیں، سکھیرا صاحب کر دیں یا کوئی کر دے۔

مفتی صاحب: آپ کا قرضہ کا مسئلہ کیا ہے؟

بچہ صاحب: وہ پانچویں کلاز CLAUSE ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کا مستحق ہوگا وہ عشر دینے کا مستوجب نہیں ہوگا۔ لیکن آیت نمبر ۶۰ سورۃ توبہ میں یہ لکھا ہے کہ غارمین (مقروض) زکوٰۃ لینے کے حقدار ہیں۔ لہٰذا وہ استثناء کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ میں نے یہ کہا کہ اس کی توضیح ہونی چاہیے کہ کون سے مقروض، کیسے مقروض کب کے مقروض، کتنے کے مقروض؟ ان سب کی توضیح ہونی چاہیے۔ ورنہ تو سکھیرا بھائی جانتے ہیں کہ سارے لوگ وہاں مقروض بن جائیں گے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب: قانون میں مقروض کا لفظ نہیں ہے کہ وہ مستحقین حصولِ زکوٰۃ ہیں ہیں۔ زکوٰۃ کا باقاعدہ نصاب مقرر ہے۔ عشر کا بھی ہے، پانچ وسق۔ اگر ایک آدمی کی پیداوار پانچ وسق ہوتی ہے اور دوسری طرف وہ زکوٰۃ میں صاحب نصاب نہیں تو مقامی زکوٰۃ کمیٹی ایسے کم پیداوار والے شخص کے متعلق غور کر سکتی ہے، معافی عشر کے بارے میں

بچہ صاحب: نہیں مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے یا نہیں اب زکوٰۃ اور عشر میں آپ فرق کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب: مطلب یہ ہے کہ جو صاحب نصاب نہ ہوگا وہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہوگا۔ دو ہزار روپیہ نصاب ہے اس سے کم کا مالک زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے۔

بچہ صاحب: آپ اس آیت پر غور کریں یعنی سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ جس کے مطابق غارمین زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

راؤ صاحب: لیکن قانون میں غارمین کا کوئی ذکر نہیں۔

مفتی صاحب: اس میں یہ ہے کہ جتنا قرضہ ہے اتنا مجریٰ کیا جاتا ہے باقی پر زکوٰۃ لگتی ہے مثلاً ایک لاکھ کا مقروض ہے اور پانچ لاکھ کا کاروبار ہے تو اس کا معنی ہے کہ چار لاکھ پر زکوٰۃ لگے گی۔

بچہ صاحب: اسی وضاحت کا میں منتظر تھا۔

راؤ صاحب: ہم تو خود چاہتے ہیں کہ عشر میں بھی اس قسم کی رعایت دی جائے۔ اب جو چھوٹے زمیندار ہیں اور مقروض ہیں انہیں بھی اس سے فائدہ ہوگا لیکن کیا شرعاً عشر میں کوئی ایسی گنجائش ہے؟

رفیق چوہدری صاحب: عشر میں تو بالکل نہیں ہے . . . .

راؤ قدیر صاحب: یعنی قرضے کی منہائی کے بعد باقی پر سے عشر وصول کیا جائے؟

مولانا لطیف صاحب: نہیں۔

مفتی صاحب: بچہ صاحب یہ کہہ رہے کہ شریعت میں نہیں ہے۔ لیکن قانون میں ہے۔

بچہ صاحب: اچھا تو دوسری بات جو میں نے عرض کی تھی، ہول یا پارٹ WHOLE OR PART یعنی سالم یا کچھ حصے کا، کوئی اگر کہے کہ میں اپنی فقہ کے مطابق سالم دینے کا مستحق نہیں یا کسی حصہ کا۔ اب جیسا کہ میں نے گذارش کی کہ فقہ حنفیہ کے سب سے بڑے ترجمان امام ابو یوسفؒ ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ سبزی ترکاری پر عشر نہیں ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں سبزی ترکاری کا آدمی ہوں تو کیا میں مستثنیٰ ہوں گا؟ میرے خیال میں تو نہیں ہوں گا مگر قانون کہتا ہے کہ تم مستثنیٰ ہو۔

راؤ قدیر صاحب: ہاں قانون میں تو حصے کا بھی ذکر ہے۔ اگر کوئی مسلمان یہ حلفی بیان داخل کرے کہ اس کی فقہ یا مسلک کے مطابق عشر کی لازمی ادائیگی، جیسا کہ قانون میں صراحت کی گئی ہے، سالم یا کچھ حصہ سے ضروری نہیں تو اسے مستثنیٰ قرار دیدیا جائے گا۔

مظاہری صاحب: نہیں۔ یہ استثنیٰ صرف شیعہ حضرات کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔

راؤ صاحب: ناں، قانون میں مسلمان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

مختلف آوازیں: لیکن سوائے شیعہ حضرات کے کوئی بھی مسلمان ایسا بیان حلفی داخل نہیں کر سکتا۔

مفتی صاحب: لیکن سوال یہ ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے زمیندار تو ہے، کاشت کار تو ہے۔ اس کی پیداوار پر سے عشر نہ سہی خراج تو وصول کیا جا سکتا ہے۔

راؤ صاحب: یعنی مالیہ وغیرہ بڑھا کر عشر کے برابر لے آؤ تاکہ ۔۔۔۔۔

رفیق چوہدری صاحب: تاکہ یہ استثنیٰ کا راستہ خود بخود بند ہو جائے۔

مفتی صاحب: ملک صاحب اور کچھ؟

بچہ صاحب: بس جناب والا کچھ اور الجھنیں ہیں، انتظامی نوعیت کی .... میں ان سے (راؤ صاحب و سکھیرا صاحب سے) کہتا رہتا ہوں جیسا کہ آپ نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا کہ کم سے کم قیمت واوسط پیداوار ــــــ تو میری گذارش ہے یہ بڑا مشکل ہے کوئی معیار ہونا چاہیے۔

مفتی صاحب: ٹھیک ہے۔

بچہ صاحب: کسی معیار کے بغیر نتیجہ یہ ہوگا کہ ساہیوال میں ایک قسم ہو جائے گی۔ لاہور میں دوسری قسم اور لائل پور میں کوئی اور قسم اور ایسی طوائف الملوکی

پڑے گی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا یعنی ایک جگہ تیس من لگ جائے گا اور دوسری جگہ دس من۔ اس لیے میں نے گذارش کی تھی کہ اس کا کوئی حل بھی بتلایا جائے۔

مفتی صاحب: اس طرح تو ہر جگہ کش مکش ہو گی، جس کے ہاں بھی پیداوار کم ہو گی وہ لازماً کہے گا کہ عشر غلط لگایا گیا ہے۔

بھٹی صاحب: حل تو اس کا دیدیا گیا ہے۔ بات یہ ہے، جو ملک صاحب فرما رہے ہیں؛ ایک حلقہ ہے عشر وہ مقرر فرمائیں گے۔ ضلع کمیٹی والے ایک حلقے کا مختلف کریں گے دوسرے کا مختلف .... اس طرح یکسانیت نہیں رہے گی اگر نہ رہے جیسے مثلاً زمین ہی بنجر ہے یا خراب ہے۔ وہاں اگر کم ہو گا تو حرج کیا ہے۔

سکھیرا صاحب: میں عرض کروں جیسے یہ کپاس کی فصل ہے جس کی پیداوار مختلف علاقوں میں مختلف ہوتی ہے۔ اب اگر آپ چاہیں کہ عشر ہر جگہ یونیفارم رہے تو یہ مشکل ہے۔

بُچہ صاحب: کون کہتا ہے کہ یونیفارم رہے۔

سکھیرا صاحب: عشر سرکل جو ہے وہ ہے پچاس پچاس گاؤں کا۔ اور وہاں زمین تقریباً ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں۔

بھٹی صاحب: عشر تو آپ نے کم از کم اوسط پیداوار پر لگایا۔ اور باقی اس کی صوابدید پہ چھوڑ دیا کہ وہ اور بھی اگر چاہے تو از خود ادا کرے۔

راؤ صاحب: اگر کوئی شخص خود تشخیصی کا فارم داخل کراتا ہے اور کہتا ہے اس کے اندازے کے مطابق سو روپیہ عشر واجب ہے اور ضلعی کمیٹی نے جو عشر مقرر کیا ہے وہ چار سو روپیہ ہے تو مقامی کمیٹی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سو روپیہ منظور کر سکتی ہے بشرطیکہ حالات درست بیان کئے گئے ہوں، ورنہ سواور

چار سو کے درمیان کسی رقم کا تعین کر سکتی ہے۔ لیکن اس سے بڑھا نہیں سکتی البتہ کم کر سکتی ہے خود تشخیص کو منظور کر سکتی ہے یا تھوڑا بہت بڑھا گھٹا سکتی ہے۔

حافظ غلام حسین صاحب: اس جنرل ڈسکشن کے بعد یہ ہم نے ایک سوالنامہ بھیجا تھا دعوت نامے کے ساتھ۔ اس پر مختصراً مختصراً صرف ایک ایک منٹ میں ان سوالات کا جواب ہو جائے تو بات نامکمل نہیں رہے گی۔

ہاشمی صاحب: پہلا سوال یہ ہے کہ میرے خیال میں آپ سب حضرات اس بات سے تو متفق ہوں گے کہ پاکستان میں اس وقت جو زمینیں مسلمان کے قبضے میں ہیں وہ سب کی سب عشری ہیں۔

مختلف آوازیں: جی ہاں! درست ہے۔

ہاشمی صاحب: آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا ایک صاحب اکثر لکھتے رہتے ہیں۔ کہ پاکستان کی تمام زمینیں خراجی ہیں لہٰذا یہاں عشر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ تو میں نے انہیں بھی دعوت دی تھی، لیکن وہ نہیں تشریف لائے حالانکہ اگر وہ علماء کے اس اجتماع میں آ گئے ہوتے تو ان کو بحمداللہ مطمئن کر دیا جاتا بہرحال یہ بات تو متفقہ طور پر طے ہو گئی کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں وہ سب عشری ہیں۔

مفتی صاحب: نہیں اس طرح نہیں۔ پاکستان کی اکثر و بیشتر زمینیں عشری ہیں جیسا آپ نے سوالنامے میں لکھا ہے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: اس طرح کہہ لیں کہ اس وقت مسلمانوں کے قبضے میں جو زمینیں ہیں وہ عشری ہیں، سوائے اس کے کہ کسی زمین کے خراجی ہونے کا کوئی ثبوت فراہم ہو جائے۔

ہاشمی صاحب: وصولی کے بارے میں — جو دوسرا سوال ہے۔ اس کے جزو ب
یعنی وصولی کے طریقہ کار پر کافی بحث ہو چکی ہے۔

مشترکہ آوازیں: ٹھیک ہے۔

ہاشمی صاحب: تیسرا ہے مصارف کے بارے میں۔ اس پر بھی کافی کچھ کہا جا چکا ہے۔

مفتی صاحب: ٹھیک ہے۔

ہاشمی صاحب: مصارف کے بارے میں، میرے خیال میں مفتی صاحب نے جو تجویز
پیش کی ہے کہ ہر کمیٹی میں ایک مستحق آدمی کو شامل کر لیا جائے اور اس کے ذریعے
سے خرچ کرایا جائے تو اس پر اعتراض یہ ہوگا کہ مادون النصاب تک تو ہو سکتا
ہے۔ مگر مافوق النصاب نہیں ہو سکتا......

حافظ غلام حسین صاحب: پیسہ بیت المال کی اپنی ملکیت میں رہتے ہوئے اگر واپس
آجائے نیز ایسے ذرائع پیدا کیے جائیں کہ وہ عشر کا پیسہ کم نہ ہو بلکہ بڑھتا چلا جائے
تو اس طرح اگر بیت المال ڈویلپمنٹ پر خرچ کرتا رہے تو کوئی حرج نہیں۔

مفتی صاحب: یعنی سڑک بنا کر اس پر ٹیکس لگا دیئے۔

ہاشمی صاحب: ٹیکس لگا دے اور وہ روپیہ لے کر پھر واپس کر دے؟

حافظ غلام حسین صاحب: یہ تو ہے ہی۔ سڑک پر تو ویسے بھی ٹیکس ہے

مولانا عبداللطیف صاحب: اس میں یہ ہے کہ بیت المال کے چار حصے ہیں
جیسا کہ ابتدائی گفتگو میں درمختار کے حوالے سے ہاشمی صاحب نے بیان کیا ہے۔

ہاشمی صاحب: اچھا تو چوتھا سوال ہے کہ عشر کی موجودگی میں دیگر زمینی ٹیکسوں کے
بارے میں مثلاً پنچوترہ وغیرہ؟

بچہ صاحب: وہ تو نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ تو مالیہ کی وجہ سے تھا۔

ہاشمی صاحب: ایک بات اور غور طلب ہے۔ بھٹی صاحب نے دورانِ گفتگو بھی ایک بار بتایا تھا کہ دور دراز دیہات میں بعض ممبران ایسے ہوتے ہیں جو فارم بھی نہیں پُر کر سکتے ان کے لیے حساب کتاب رکھنا مشکل ہو جاتا ہے تو بتا رہے تھے کہ ویلج ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ملازمین سے کام لیا جا سکتا ہے۔

بھٹی صاحب: میرا خیال یہ تھا کہ جو سرکاری ملازم ان علاقوں میں رہتے ہیں فیلڈ اسسٹنٹ ہیں کوآپریٹو والے ہیں پٹواری ہیں اور بھی اسی طرح۔

اگر آپ یہ اجازت دیدیں کہ وہ عشر کمیٹی کے سیکرٹری کے طور پر بھی کام کریں تو ان کو بھی جس طرح کوآپریٹو والوں کو آپ نے دیا ہے تھوڑا بہت اس میں سے دیں تو ان کا کام بھی ہو جائے گا۔ کمیٹی والوں کا بھی۔۔۔۔۔

راؤ عبدالعزیز صاحب: اڑتالیس صد روپے ایک سال تک ایک مقامی کمیٹی خرچ کر سکتی ہے۔۔۔۔۔

بھٹی صاحب: مطلب یہ ہے کہ ان کو دے سکتے ہیں۔

راؤ صاحب: پارٹ ٹائم کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو جو اچھے گورنمنٹ ملازم ہیں لوکل۔ ان میں سے رکھیں یا کوئی اور تعلیم یافتہ مثلاً استاد ہیں یا۔۔۔

سکھیرا صاحب: یہ جو آپ کی بات ہے اس پر پراونشل زکوٰۃ کونسل میں بھی غور ہوا۔ پہلے یہ تھا کہ وہ دو ہزار چار سو روپیہ خرچ کر سکتے تھے۔ انہوں نے یہ رقم بڑھا کر چار ہزار آٹھ صد کر دی تاکہ چار سو روپیہ ماہوار ہو جائے۔ لیکن اب سینٹرل زکوٰۃ کونسل میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ عشر کا دس فیصد آپ اس مد پر خرچ کر سکتے ہیں۔۔۔۔

بچہ صاحب: عاملین کے لیے؟

سکھیرا صاحب: اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب ہر عشر و زکوٰۃ کمیٹی ایک آدمی رکھ سکتی ہے۔

بھٹی صاحب: اصل میں اس میں جو اشکال تھا وہ یہ ہے کہ جتنے بھی سرکاری ملازمین ہیں۔ وہ کسی نہ کسی ضابطے یا قانون کی پابندی ضرور کرتے ہیں۔ مگر کمیٹی والا آدمی سرکاری ملازم تو نہ ہوگا۔ اگر آپ کسی سرکاری آدمی کو یہ فرض سونپیں گے۔ تو وہ اسے سرکاری ڈیوٹی سمجھے گا۔ اور اپنے کام سے غفلت کا مرتکب نہیں ہوگا لیکن کمیٹی کا آدمی تو ممکن ہے کہ غفلت برتے اور اس کا کوئی علاج ہی نہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ اسے اس کام سے ہٹا دیں۔

شیخ محبوب الٰہی: دیہی سیاست میں اس طرح کی صورتحال عام ہے۔

سکھیرا صاحب: یہ مسئلہ لوکل زکوٰۃ کمیٹیوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ملازم رکھ سکتی ہیں۔

ہاشمی صاحب: اچھا پانچواں سوال یہ ہے کہ عشر کمیٹیوں کے ارکان کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔

راؤ عبدالقدیر صاحب: آرڈیننس میں ترمیم ہوگئی ہے۔ چیئرمین کے لیے ضروری ہے کہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو عام ممبر کے لیے بھی پرہیزگار مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی نے شکایت کی سلیکشن کے وقت تو سلیکشن ٹیم کو اختیار ہے کہ وہ بے نماز کو حصہ نہ لینے دے بعد میں بھی دفعہ اکیس کے تحت کوئی شکایت کرے تو ممبر کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

ہاشمی صاحب: سوال نمبر ۶ یہ ہے کہ جو لوگ عشر نہ دیں ان کے لیے کوئی تعزیر ہوگی؟

بچہ صاحب: بہت تعزیر ہے۔

سکھیرا صاحب: بقایا جات واجبات اراضی کی طرح جس طرح کوئی مالیہ نہ دے تو تحصیل والے وصولی کا جو طریق کار اختیار کرتے ہیں وہی ہے۔

بُچہ صاحب: وہ قید ہو سکتا ہے، اس کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط ہو سکتی ہے قرق ہو سکتی ہے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

ہاشمی صاحب: منبر سات یہ ہے کہ کیا عشر زکوٰۃ کی طرح فرض عبادت اور صدقہ ہے یا عشر اور زکوٰۃ میں کچھ فرق ہے؟ اور اگر ہے تو کس نوعیت کا؟ نوعیت کے فرق سے مصارف میں کوئی فرق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

نوری صاحب: زکوٰۃ ہے، بالکل زکوٰۃ کی طرح ہے۔

بُچہ صاحب: اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کو سیکولر ٹیکس (غیر مذہبی ٹیکس) بھی کہا ہے.....

مولانا عبداللطیف صاحب: بالکل زکوٰۃ کی طرح تو نہیں لیکن مصارف میں کوئی فرق نہیں

ہاشمی صاحب: اچھا اگر اصل میں کوئی فرق ہے تو مصارف پر کیوں اثر نہیں پڑتا

بُچہ صاحب: ہمیں تو آپ سے اتفاق ہے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: اس لیے کہ جو مصارف زکوٰۃ کے ہیں وہی عشر کے ہیں۔

ہاشمی صاحب: اگر یہ کہا جائے کہ جو اصل عشر کی ہے وہی زکوٰۃ کی ہے تب تو مصارف میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لیکن اگر عشر اور زکوٰۃ کی اصل میں فرق ہو جیسا کہ بہت سارے علماء نے لکھا ہے کہ عشر میں ایک نوعیت ٹیکس کی بھی ہے۔

بُچہ صاحب: جناب خود حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے۔

ہاشمی صاحب: تو اس میں ٹیکس کی جو ایک نوعیت پیدا ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ اس کے مصارف میں بھی کچھ ڈھیل دینی چاہیئے

بچہ صاحب: پھر تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔

مولانا عبداللطیف صاحب: جنہوں نے وہ لکھا ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مصارف وہی ہوں گے جو زکوٰۃ کے ہیں۔

مظاہری صاحب: (کھڑے ہو کر) ایک نہایت اہم مسئلے کی جانب اس اجلاس کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ عشر ہو یا زکوٰۃ یا کوئی بھی نظام ہو جب تک وہ کامیاب نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا ہم نے عشر و زکوٰۃ کے نظام کو کامیاب بنانا ہے۔ تو میرے نزدیک اس وقت جو شیعہ حضرات کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یہ سارے نظام کو فیل کرنے کے مترادف ہے یہ معمولی بات نہیں ہے نہ ہی یہ کسی فقہی مسلک کی اطاعت اور عدم اطاعت کا مسئلہ ہے بلکہ اسلامی مملکت کے اندر خیر و فلاح کے نظام کا لوٹانا مقصود ہے اور خیر و فلاح کا بہت سارا مدار پیسے پر ہے۔ ایران میں جہاں پینتیس فیصد سنی ہیں وہاں انہیں کوئی استثنا حاصل نہیں۔ یہ بھی آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان پیسے کے معاملہ میں کمزور ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ شیعہ مسلمان بھی ہیں اور پیسے بھی نہیں دیتے اور انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تو ہم بھی اگر پیسے نہ دیں اور مسلمان بھی رہیں تو کیوں نہ شیعہ ہو جائیں اور لوگوں کو شیعہ بنانے کا حادثہ شروع بھی ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔

بُچہ صاحب : بلکہ وہ تو فارم بھی تقسیم کر رہے ہیں۔

مولانا عبداللطیف صاحب : اس چیز کی ایک طرح سے رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ عشر سے بچنا چاہیں، شیعہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ان پر خراج لگا دیا جائے۔ خراج عشر سے دوگنا ہے .....

ہاشمی صاحب : یا ان پر خمس لگا دیا جائے۔

مولانا عبداللطیف صاحب : جب وہ یہ دیکھیں گے کہ ان پر خراج لگ رہا ہے تو سارے اِدھر آ جائیں گے۔

بُچہ صاحب : تسلی ہو جائے گی ان کی۔ مگر وہ لگنے نہیں دیں گے حضور!

راؤ عبدالقدیر صاحب : خراج مسلمان پر لگ سکتا ہے؟

مولانا عبداللطیف صاحب : لگ سکتا ہے۔

نوری صاحب : زمین خراجی ہو گی تو لگ سکتا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب : بڑی عجیب سی بات ہے، ابھی میرے بھائی (سکھیرا صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) نے کہا تھا کہ عشر و زکوٰۃ کمیٹیوں کو گورنمنٹ کا ادارہ نہ کہیں اگر یہ ادارہ سرکاری نہیں ہے اور یہ رقم سرکاری خزانے میں جانے والی نہیں تو پھر اس پیسے کے لیے عوام میں تفریق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پاکستان تو لا الٰہ الا اللہ کے نام پر سب نے مل کر بنایا تھا اس پاکستان میں جب اسلام کا ایک حصہ نافذ ہونے لگا ہے تو اس میں تفریق پیدا کر دی گئی۔ تو آپ (مفتی نعیمی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) جب وہاں ہیں تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ .....

مفتی صاحب : گذارش یہ ہے کہ ان کے ہاں زکوٰۃ تو ہے مگر زکوٰۃ خمس ہے تو انہیں
چاہیے کہ وہ خمس ادا کریں یہ تو ہوئی ایک بات دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ
دینے سے تو انہوں نے اپنے آپ کو مستثنیٰ کر لیا مگر کمیٹیوں میں وہ شامل ہیں
مرکز تک کمیٹیوں میں اور زکوٰۃ لینے میں بھی شامل ہیں تقسیم زکوٰۃ میں کوئی استثناء
نہیں شرعاً بھی اور قانوناً بھی ۔

مولانا عبداللطیف صاحب : بالکل ٹھیک ۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب : میں حیران ہوں میں نے ان کی کتابیں پڑھی ہیں ان میں بہت
سختی پائی جاتی ہے عشر اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے بارے میں ۔ لیکن اس کے
باوجود انہوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے ۔ ایک ان کا اپنا مسئلہ ہے کہ زکوٰۃ ان کا
امام لے گا ۔ تو آپ (مفتی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) انہیں کہیں کہ چلو
بھائی تم بھی اپنا ایک فنڈ قائم کر لو ، الگ سے ۔ اسی طرح اپنا ایک قانون بنا لو اور
اپنے کو دو ۔ لیکن اس میں یہ ہے کہ یہ جو بددلی لوگوں میں پائی جاتی ہے یعنی اہلسنت
ہونے کی بنا پر کہ ہم سے یہ زکوٰۃ وصول کی جا رہی ہے عشر لیا جا رہا ہے ۔!

محبوب الٰہی صاحب : یہ اہلسنت ہونے کا ٹیکس ہے ۔ قہقہہ

نوری صاحب : ویسے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ دیکھیے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں جو
عشر لیا جاتا تھا حضرت علیؓ کے زمانہ میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ۔ . . . .
ان کی کتاب " شرائع الاسلام " میں لکھا ہوا ہے کہ ان کے ہاں چار چیزوں
پر عشر ہے اور باقی چیزوں پر مستحب ہے ۔ واجب نہیں ۔

فضل الرحمٰن صاحب : نہیں نہیں ان کی بنیادی کتابوں میں سب پر ہے ۔

ہاشمی صاحب : چار چیزوں پر ہے ۔ گندم پر ہے ، جَو پر ہے ، کشمش پر اور کھجور پر ہے ،

مولانا فضل الرحمٰن صاحب : پہلے نو کہتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ جتنے "محبوب" ہیں سب پر ہے۔

منظاہری صاحب : اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ مردم شماری پر بھی اثر پڑے گا۔ یہ مطالبہ چلے گا کہ ان کی مردم شماری الگ کراؤ۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس میں بہت ہی خطرات ہیں مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب نے بڑا اچھا نکتہ اٹھایا ہے۔ اس اجلاس کی طرف سے ایک قرارداد پاس کیجیے اور اس کو نظریاتی کونسل اور حکومت کے پاس بھیجے۔

نوری صاحب : شیعہ حضرات کو یہاں بلایا گیا تھا مگر کوئی بھی نہیں آیا ہم تو اسی لیے آئے تھے کہ وہ حضرات آئیں گے تو ان سے بات کریں گے۔

حافظ غلام حسین صاحب : ان کو بلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ کل بھی ٹیلیفون پر ان سے بات ہوئی تو انہوں نے آنے کا وعدہ کیا لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ نہیں آئے۔ پتہ نہیں وہ کیوں احتراز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

راؤ عبدالقدیر صاحب : نئی ترمیم میں یہ رعایت بھی دیدی گئی ہے کہ ان کا ایک دفعہ کا داخل کیا ہوا بیان حلفی ہی کافی سمجھا جائے گا۔ یہ بھی اب ضروری نہیں رہا کہ وہ اصلی کاپی داخل کریں بلکہ فوٹوسٹیٹ ہی مستند سمجھی جائے گی۔

منظاہری صاحب : یہ جو ہے نا فوٹوسٹیٹ یہی اکیلا ہزاروں کا بن جائے گا سب کیلئے کافی ہو گا۔ نیچے دستخط کر کے وہی کاپی دوسروں کے کام بھی آجائے گی۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب : ٹائم کا خیال رکھیں میرا خیال ہے اب اجازت لیں مولانا (ہاشمی صاحب) کا ہم سب شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں موقعہ دیا کہ ہم اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

حافظ غلام حسین صاحب : (مفتی نعیمی صاحب سے) حضرت! دعا خیر فرمادیں۔ اور دعائے خیر کے بعد مذاکرہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔